

سلسلہ انجمن ترقی اردو نمبر ( ۴ )

## دہندہ ایان ہندی

جسکو

بابو نارائن پرشاد ورما "سہر" تخلص مترجم دفتر  
جناب صاحب انسپکٹر جنرل بہادر محکمہ تعلیم  
ریاست گوالیار

نے

انگریزی رسالہ موسومہ بہ "پرافتس آف انڈیا"  
مؤلفہ جناب بابو صاحب مذمتہ فاتحہ دت ایم۔ اے،  
ایم۔ آر۔ اے۔ ایس رکٹر کیشب اکیڈمی کلکتہ سے  
اردو میں ترجمہ کیا



\* : \* : \*

سنہ ۱۹۳۲ ع

\* : \* : \*

باہتمام محمد رفیق حسن منیجر انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد۔ دکن کے مطبع میں چھپ کر شای

۲۰۱

بار چہارم

۲۰۸

قیہ

تعداد طبع ۱۰۰۰

( جملہ حقوق محفوظ ہیں )



**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi  
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ  
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



سوال نمبر ۱۰۱

(۱) سرورِ مبینؐ کی شان و عظمت کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت کے بارے میں

روایے ملاحظہ فرمائیں اور ان کو تمام خطباتِ مبارک کے ساتھ پیش کی جانے والی

(۲) عبادتوں کے بارے میں روایات سے مطلع فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

روایے عطا فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

قیمت دے کر جانوں کی قربانی کی عبادتوں کے بارے میں

(۳) رکنِ کعبہ کے بارے میں روایات سے مطلع فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

عطا فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

(۴) ان کو تمام خطباتِ مبارک کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت کے بارے میں

روایے عطا فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

ان کی عبادت کے بارے میں روایات سے مطلع فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

عطا فرمائیں اور ان کی عبادت کے بارے میں

# فہرست مضامین

صفحہ

137182

۱

مقدمہ

۴

تہنید

۶

ایڈریس

۲۷

رہنماؤں کی تعریف

۳۳

سوانح عہری سری کرشن

۸۸

تعلیمات سری کرشن

۱۱۷

سوانح عہری سہارتھہ گوتم بدھ

۱۴۹

تعلیمات گوتم بدھ

۱۸۲

تتہ

۱۸۹

شکر اچارج

۱۹۷

وامانج

۲۰۱

رمافند

۲۰۸

کبھر



## مقدمہ

محققین فلسفہ نے عالم محسوسات میں دنیا کے تھام کاروبار کا چلانے والا اور رفح و راحت کا ذائقہ چکھانے والا خیال ہی کو مانا ہے۔ اُن کا یہ قول کہ ” تھام کاموں کی بناءً محض خیال پر ہے “ اب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ خیال ہی کو طبیعتوں کا حاکم سمجھ کر دنیا کے زبردست فلسفیوں اور اعلیٰ رہنماؤں نے سرگرم اور جانفشاں کوششوں میں اکثر جانبازوں کی طرح اپنی انہول جانیں صرف اس لئے قربان کی ہیں کہ انسانوں میں تقدس کے خیالات پھیل کر انہیں پاک اور سخت فرائض کا ادا کرنا سکھائیں —

ہند کے بہت بڑے فلسفی اور سچے رہنما سری کرشن بھگوان کی سوانح عہری پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ جس وقت آپ کے پیارے دوست ارجن نے کرک شیتر کی جنگ عظیم میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے سے جو اُس کا خاص فرض تھا گریز کیا اور انسانی کھزوری نے اُسے بزدل بنا دیا تو آپ نے وہی کیا جو کہ کرنا واجب تھا اور عین میدان کارزار میں جو نبرد آزاروں کے جوشاور کی جھلکار۔ گہوڑوں کے سہونکی آواز۔ جنگی اسلحہ کی چقا چاق اور ہاتھیوں کی چنگھار سے عرصہ قیامت کا فہونہ بنا ہوا تھا آپ نے اُسے مذہب کا ایک نہایت اعلیٰ طریقہ تلقین کر کے فرائض کی جیتی جاگتی تصویر سامنے

کھڑی کر دی —

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ عالم ایجاد میں خیال کے بغیر کسی فعل کی تخلیق ممکن نہیں اور کسی کام میں اعلیٰ درجہ کی کوشش کرنے کے لئے ویسی ہی عالی دماغی اور باند خیالی کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر آپ نے ایسے لاثانی ملکوتی خیالات ظاہر فرمائے جن کو نظیر گزشتہ چھ ہزار برس میں صفحہ روزگار پر کہیں نہیں ملتی۔ سری کرشن میں انسانوں کو سچے اور نیک کاموں کی طرف راغب کر دینے کی قدرت بوجہ اکمل موجود تھی۔ پس انہیں اعلیٰ درجہ کا تجربہ کار اور با عمل روحانی فلاسفر کہنا بجا ہے —

میری رائے میں ہندوستان کے مصلحان دین کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ وہ مذہبی اصلاح کے کوچہ میں اس روحانی فلاسفر سری کرشن بھگوان کے نقش قدم پر چلیں۔ اسی خیال نے مجھے یہ تحریک کی کہ ہندو مذہب کے تصوف اور معرفت کے اعلیٰ خیالات کو اپنے ہم ملکوں کے اس طبقہ میں پھیلانے کی تہوری بہت کوشش کروں جو سنسکرت علوم سے محض بے بہرہ ہے اور اردو کے سوا اور کوئی زبان جانتا ہی نہیں۔ ہندوستان میں جب سے اردو نے رواج پایا ہے پاک زبان سنسکرت اور ان فرقوں کے لوگوں میں بہت اجنبیت پیدا ہو گئی ہے جن کی مادری زبان اب فارسی یا اردو ہے۔ اس لئے یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ باہر منہ تہد ناتہد صاحب دت۔ ایم۔ اے۔ ایم آر۔ اے۔ ایس ریکٹور کیشب ایکٹمی کلکتہ کی لاجواب کتاب ”پرافتس آت افتدیا“ کو اردو میں ترجمہ کر کے اردو دانوں کی خدمت میں پیش کروں۔ میں چونکہ سنسکرت زبان سے نا آشنا ہوں۔ مجھے اس کے سوا اور کیا

چارہ تھا کہ ہند کے اعلیٰ رہنماؤں کی سوانح مہریاں اور تعلیمات  
انگریزی زبان سے ترجمہ کروں —  
یقیناً بہت زیادہ قدر کے مستحق ہمارے قابل مصنف  
بابو صاحب ہیں جنہوں نے زمانہ کے نبض شناس متقدمین  
اور متاخرین ہندی مذہبی فلاسفر یا رہنماؤں کے تذکرے  
اور خیالات انگریزی میں تحریر فرما کر ہلی قوم انسان  
کو غیر مترقبہ نعمت بخشی ہے۔ میں معزز اور باوقار  
علامہ مصنف کا کہ دل سے مہنون ہوں جنہوں نے میری  
درخواست کو قبول کی عزت دی اور مجھے اپنی کتاب کا  
ترجمہ اُردو میں شائع کرنے کی اجازت بڑی کشادہ پیشانی  
سے عنایت فرمائی —

فی الحال میں ”رہنمایان ہند“ کا پہلا حصہ اُس  
امید پر قدردان اور دقیقہ رس ناظرین کی نذر کرتا ہوں  
کہ اسے حرت گیری سے امن ملیگا اور لطف و عنایت سے  
قبول عام کا خلعت عطا ہوگا۔ اگر اُردو خوانوں کی جماعت  
پر صوفیہ خیالات کا رنگ چڑھانے اور انہیں پاک و باخدا  
بنانے میں یہ میرے مساعی مشکور ہوئے تو میں سمجھوں گا  
کہ میری سعادت وصول ہوگئی اور دوسرے حصہ کے ترجمہ  
کے لئے بھی میرا حوصلہ بہت بڑھ جائے گا —

ناراین پرشاد ورما  
مترجم رہنمایان ہند





## تمہید

قوموں کے تاریخی حالات جو کتب تاریخ میں نظر آتے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہے کہ ہندوؤں کا مذہب سب سے زیادہ قدیم ہے۔ جس زمانے میں مصر - یونان اور روم کے مذاہب کی بنا بھی نہ پڑی تھی اور اہل دنیا کے کان ان سے آشنا بھی نہ تھے اس مذہب کی عبارت کبھی کی تیار ہو چکی تھی —

یہی نہیں بلکہ ہندو مذہب کل شایستہ قوموں کے مذہبوں سے نہایت فادر اور عجیب و غریب مذہب ظاہر ہو چکا ہے۔ یہ مذہب مصر - یونان - اور روم کے پورانے مذہبوں سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نئے مذاہب نصاریٰ و اسلام سے بھی مشابہ نہیں ہے۔ یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہے۔ نہ اس کی عبارت کی طرز تعمیر ایک وضع پر ہے۔ اس مذہب کو ایک مشرقی طرز کے نہایت خوشنما - عظیم الشان اور وسیع محل سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو دور سے صرف ایک حیرت انگیز عبارت نظر آتی ہے اور قریب جاکر بغور دیکھنے سے منزل پر منزل چٹی ٹھوٹی معلوم ہوتی ہے۔

ہم ہی نہیں کہتے آپ بھی غور اور افسانہ کی نظر سے دیکھیں گے تو صاف یہی کہہ دینگے کہ ہندو مذہب ایک مذہب نہیں ہے بلکہ مذاہب

کا مجموعہ ہے جس میں کل مذہبوں کو مجتمع کر کے اُن کی مختلف خاصیتوں کے موافق اسے ترتیب دی گئی ہے۔ لفظ مذہب سے عموماً کسی خاص فرقہ کا ایک علم الہی اور ایک تاریخ رب النوع مراد ہوتی ہے۔ مگر ہندو مذہب سے ایک علم الہی یا ایک تاریخ رب النوع (دیو مالا) نہ سمجھنا چاہئے۔ یہ ہر چیز میں غیر محدود ہے۔ جس قدر اس مذہب کا علم الہی وسیع ہے اسی قدر اُس کی تاریخ رب النوع مبسوط ہے۔ اور جتنے اس کے دیوی اور دیوتا ہیں اتنے ہی اس کے شاستر کثیر التعداد ہیں۔

تو کیا مذہب ہنود جس پر ہندوؤں کو بہت بڑا ناز ہے صرف باطل عقائد کا مجموعہ اور کفر و بت پرستی کا ذخیرہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ اس میں باطل عقائد ہیں۔ نہ کفر و بت پرستی کا ذکر ہے۔ یہ ایک ایسا اعلیٰ اور افضل مذہب ہے کہ جب تک مدتوں اُس کے نکات اور عظمت دریافت کرنے کے لئے بہت بڑی جانفشانی اور عرق ریزی نہ کی جائے اُن کا سمجھنا میں آنا محال ہے۔

یہاں ہم اپنے بیان کی تائید میں ایک فہایت عمدہ ایتدریس درج کرتے ہیں جو چکا گو کی مذہبی پارلیمنٹ کے روبرو پڑھا گیا تھا۔ یہ مذہب ہنود کا سچا فوٹو ہے اور ایسے شخص کا کھینچا ہوا ہے جس نے اہل ہند کے شاستروں ہی کو کئی بار تمام و کمال نہیں پڑھا ہے بلکہ بزرگان دین اور بڑے بڑے مقدس رشیوں کے مذہب سے بھی اعلیٰ درجہ کی واقفیت حاصل کی ہے۔

— † \* † —



## ایڈریس

اہل ہند کو آسمانی وحی یعنی مقدس ویدوں کے قریب سے مذہب پہنچا ہے۔ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ ویدوں کی ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ شاید ناظرین اس بات پر ہنسیں گے کہ کوئی کتاب بغیر آغاز اور خاتمہ کے کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر دراصل ویدوں سے کتابیں سراں نہیں ہیں۔ وید اُن روحانی قوانین کا مجموعہ ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص نے دریافت کئے تھے۔ جس طرح قوانین کشش ارضی معلوم ہونے سے پہلے بھی موجود تھے اور اگر اب ہم اُن کو بھول جائیں تب بھی اُن کا وجود قائم رہیگا۔ یہی حال اُن قوانین کا ہے جن سے روحانی دنیا کا نظم و نسق وابستہ ہے۔ ارواح و افراد ارواح اور مالک کل ارواح میں جو اخلاقی اور روحانی تعلقات ہیں وہ معلومات سے پیشتر بھی تھے اور ہم اُن کو بھول جائیں تو بھی باقی رہیں گے۔ ان قوانین کے تدوین کرنے والے رشی تھے۔ ہم اُن کو کاملین سمجھ کر اُن کی عزت کرتے ہیں اور ناظرین کی خدمت میں اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے مدونان قوانین روحانی میں چند عورتیں بھی تھیں۔

یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن قوانین کی ابتدا کہ ہو لیکن ابتدا ضرور ہوگی۔ مگر مقدس ویدوں کے

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت کی ابتدا یا انتہا نہیں ہے۔ اور تمام حکمت سے بھی ثابت ہے کہ پیدائش عالم ہر زمانہ میں یکساں ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جس وقت کسی شے کا وجود نہ تھا تو اُس وقت یہ مسلمہ قوت موجود کہاں تھی بعض کہتے ہیں وہ اُس وقت بصورت اختیاری خدا کے امکان میں تھی۔ تو کیا بعض اوقات خدا کی ذات ارادی ہے۔ اور بعض اوقات متحرک یعنی غیر مستقل؟ مگر ہر غیر مستقل شے مرکب اور ہر مرکب چیز فنا پذیر ہوتی ہے۔ پس خدا کی ذات فانی ہے۔ توبہ توبہ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کوئی زمانہ موجودات سے خالی نہ تھا۔ اب ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ خالق اور مخلوق دو غیر مستند و متوازی خطوط ہیں۔ خدا اخلاق عالم ہے۔ اس کی قدرت کاملہ نے مادہ ہیولانی سے اشیاء کو ترتیب دیکر متواتر پیدا کیا۔ اور پھر معدوم کر دیا۔ یہی ہندوؤں کے لڑکے ہر روز اپنے گرو سے پڑھتے ہیں "خدا نے چاند اور سورج دوسرے چاند اور سورج کے بعد پیدا کئے ہیں۔"

ہم انکھیں بند کر کے اپنی ہستی کا تصور کریں تو ہم کو ایک جسم کی خیالی شکل نظر آئیگی معلوم ہوگا کہ ہمارا جسم مادہ اور اشیاء مادی سے مرکب ہے۔ مگر مقدس ویدوں سے ظاہر ہے کہ ہم جسم نہیں ہیں بلکہ جسم میں روح ہیں۔ جسم فانی ہے ہم فانی نہیں ہیں۔ اس وقت ہم اس جسم میں ہیں۔ جب یہ فنا ہو جائے گا تب ہم زندہ رہیں گے اور اسی طرح ہم پہلے بھی کسی جسم میں تھے۔ روح کسی چیز سے پیدا نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ خلقت کے لئے ترکیب اور ہو



رہنما یان ہند

مرکب کے لئے تفرید لا بدی ہے۔ اور روح مفرد معض ہے۔ اگر روح مخلوق ہوتی تو وہ فنا بھی ہوتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ روح غیر حادث ہے۔ بعض شخص خوش قسمت پیدا ہوتے ہیں صحت و تندرستی۔ حسن صورت و حسن سیرت کا حظ اٹھاتے اور جملہ نعمتیں اپنے لئے مہیا پاتے ہیں۔ بعض بد نصیب چند بیدست و پا اور کچھ مغبوط العواس پیدا ہوتے ہیں۔ تمام عمر مصیبتیں جھیلتے اور دکھ بھرتے ہیں۔ پس جب کل مخلوق پیدا کئے گئے ہیں تو خدائے عادل و رحیم ایک کو خوش نصیب اور دوسرے کو بد نصیب کیوں پیدا کرتا ہے؟ اُس کے مزاج میں اسقدر رعایت اور طرفداری کیوں ہے؟ اسی طرح یہ خیال بھی قابل تسلیم نہیں ہے کہ جو اس جنم میں بد قسمت ہیں اگلے جنم میں خوش قسمت ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدائے عادل اور غفور الرحیم کی سلطنت عدل میں کوئی شخص بد نصیب پیدا ہی کیوں ہو۔ اس کا نتیجہ یہی نکلیگا کہ قادر مطلق کا یہ فعل (نعوذ باللہ) ظالمانہ اور خلاف حکمت ہے۔ اس لئے انسان کی پیدائش سے قبل اس کی خوش قسمتی یا بد نصیبی کے کچھ اسباب جو اُس کے پچھلے جنم کے اعمال ہی ہو سکتے ہیں ضرور ہوں گے۔ جس طرح انسان کی طبیعت کا میلان اور اُس کی جسمانی حالت فطری طور پر اپنے والدین کی قابلیت اور رجحان طبع کے مطابق ہوتی ہے اسی طرح وہ اپنے پچھلے جنم کے اعمال کے موافق اس دنیا میں خوش قسمت یا بد نصیب پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہستی کے دو متوازی خطوط ہیں۔ ایک دن دوسرا مادہ۔ اگر مادہ اور اُس کی تبدیلی ہئیت سے کل

موجودات دنیا کی پیدائش ممکن ہو تو روح کا وجود فرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ خیال مادہ سے نکلا ہے۔ کیونکہ اگر ہم فلسفیانہ طور پر تحقیقات کریں تو صرف ایک ہی شے کا وجود ثابت ہوگا۔ روح کا یا مادہ کا۔ مگر ان دونوں سے روح کا وجود ماننا نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔

اس بات سے تو ہم انکار نہیں کر سکتے کہ انسان کا اکثر میلان طبع کسی طرف موروٹی ہوتا ہے۔ مگر یہ میلان صرف دنیوی شکل میں سراں لیا گیا ہے۔ جس سے خاص طبائع خاص طور کے کام کر سکتے ہیں اور روح میں اس خاص قسم کے میلان یا خاصہ کے پائے جانیکا سبب اُس کے پچھلے جنم کے اعمال ہیں۔ کیہیائی تو کیب کے مطابق روح کسی خاص میلان کے ساتھ کسی ایسے جسم میں پیدا ہوتی ہے جو اُس میلان کے لئے مناسب اور موزوں آلہ کا کام دیتا ہے۔ یہ اصول حکمت کے بالکل مطابق ہے۔ عالم حکمت میں ہر شے کی تشریح عادت سے کی جاتی ہے۔ اور عادت اعادہ یعنی رد و بدل سے پیدا ہوتی ہے۔ پس یہ رد و بدل بھی نئی پیدا ہوئی روح کی فطری عادات کی تشریح کے لئے لابی ہے۔ اور یہ قدرتی عادتیں موجودہ زندگی میں پیدا نہیں ہوئیں لہذا وہ گزشتہ زندگیوں سے ضرور روح کے ساتھ آئی ہونگی۔

ہندوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان روح ہے جس نے نہ تلوار کات سکتی ہے۔ نہ جس پر خاک و باد۔ آب و آتش کا کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ روح ایک دائرہ ہے جس کا خط محیط معدوم ہے مگر اُس کا مرکز جسم کے اندر ہے اور اسی مرکز کا ایک جسم دوسرے جسم میں



## رہنمایاں ہندہ

نقل کرنا موت ہے روح اوصاف مادہ سے محدود نہیں ہے وہ بذاتہ غیر محدود، پاک، خالص اور کامل ہے۔ مگر کسی نہ کسی سبب سے محدود ہو گئی ہے اور اپنے آپ کو مادی تصور کرتی ہے

یہ تو ثابت ہو گیا کہ انسانی روح ابدی، غیر فانی، کامل محدود ہے۔ موت سے صرف مرکز روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں تبدیل ہونا مراد ہے۔ نیز حیات موجودہ کے حالات گزشتہ زندگی کے اعمال سے معلوم ہوتے ہیں اور حیات آئندہ کے کوائف زندگی حال سے مفہوم ہوں گے۔ یوں نہیں یہ سلسلہ تداخ حیات سے حیات اور مہات سے مہات تک جاری رہیگا اور اس میں روح کو ترقی یا تذل ہوتا رہیگا مگر یہاں چند اور سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کیا انسان مثل ایک چھوٹی کشتی کے ہے جو طوفانی دریا میں موجوں کے مدوجزر سے کبھی اوپر اُٹھ جاتی ہے کبھی قعر دریا میں چلی جاتی ہے اور نیک و بد اعمال کے تھپیڑے اُسے ادھر ادھر لٹے پھرتے ہیں؟ کیا انسان تباہ شدہ جہاز کی طرح سبب اور مسبب کے شور انگیز اور فاسوافق دھار پر بہا چلا جاتا ہے؟ کیا انسان ایک چھوٹے پتنگے کی مانند تسبیب کے پھیپھ کے نیچے بیٹھا ہے جو اپنی رفتار سے ہر چیز کو جو اُس کے راستہ میں آ جاتی ہے کچل کر پیس ڈالتا ہے۔ اور بیواؤں کی گریہ و زاری، یتیموں کی فریاد اور فالوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا؟ اس خیال سے دل بیٹھا جاتا ہے۔ مگر قانون قدرت اسی طرح پور ہے۔ فائیدوں کے دل سے بیساختہ نکل گیا ”خداوند! کیا اب کوئی امید نہیں ہے؟ کیا اب نجات کی کوئی صورت نہیں ہے؟ یہ فریاد خدائے غفور الرحیم نے سنی اور امید

و تشفی آمیز الفاظ میں مد و دان وید کو الہام ہوا جنہوں نے دنیا میں باواز بلند بنی آدم کو یوں مژدہ سنایا۔

” اے لازوال خوشی کے بچو اے اعلیٰ طبقہ کے رہنے والوں۔ ہم نے خدائے قدیم کو جو تھام تاریکیوں اور مغالتوں کے پودوں کے اُس طرف ہے پالیا ہے۔ تم صرف اُسی کے جاننے سے سلسلہ تناسخ سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ لازوال خوشی کے بچو! یہ کیسا پیارا نام ہے۔ تمہیں اجازت دو کہ ہم تمہیں اس پیارے نام سے غیر فانی خوشی کا وارث کہہ کر پکاریں۔ ہندو تم کو گنہگار کہنے سے انکار کرتا ہے۔ تم خدا کے بندے ہو۔ تم لازوال خوشی کے حصہ دار ہو۔ اے پاک اور کامل ہندو تمہیں دنیا میں ارہیت کا درجہ حاصل ہے۔ انسان کو گنہگار کہنا گناہ بلکہ افسانی نیچر پر ایک موثر لائبل ہے۔“

مقدس ویدوں میں نہ ایسے قوانین ہیں جنسے مغفرت ہونی دشوار ہو۔ نہ سبب اور مسبب کی غیر محدود قیدیں ہیں بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان ذوالقوانین سے قطع نظر۔ مادہ اور طاقت کے ہر جزو اور ذرہ میں ایک ایسی چیز پنہاں ہے جس کے حکم سے ہوا چلتی ہے، آگ جلتی ہے، میزہ برستا ہے اور موت زمین پر دبے پاؤں چلتی ہے۔ اُس کے صفات یہ ہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہے، پاک ہے، اُس کی کوئی شکل نہیں ہے وہ قادر مطلق اور رحیم ہے۔ اہامے وید اُس کی حمد و ثنا اس طرح کرتے ہیں۔ ” تو ہمارا ماں باپ ہے۔ تو ہمارا عزیز دوست ہے۔ تو تھام طاقتوں کا منبع ہے۔ ہم کو طاقت عطا کر۔ تو تھام عالم کا بوجہ اُتھائے ہوئے ہے ہم کو زندگی کا بار اُتھانے کے لئے مدد ہے۔“ اور اُس کی



## رہنمایان ہند

پرستش کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اُسے دنیا و آخرت کی جہاں چیزوں سے زیادہ عزیز اور اپنا محبوب جان کر دای محبت سے اُس کی پرستش کرے۔ —

ویدوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح فہایت پاک اور بدتر ہے مگر مادہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جب یہ زنجیریں توت جائیں گی تب اُسے کہاں حاصل ہوگا اُس کہاں کے لئے وید میں مکتی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی آزادی کے ہیں اور اس آزادی سے خالی، موت اور تکالیف سے آزادی مراد ہے۔ —

یہ زنجیریں صرف خدائے غفور الرحیم ہی کی عنایت سے توت سکتی ہیں۔ خدا پاک دامنوں اور پرہیز گاروں پر رحم کرتا ہے۔ پس اُس کی رحمت کے لئے پاک دامنوں اور پرہیز گاری کی شرط ہے۔ وہ پاک دامنوں پر اس طرح رحم کرتا ہے کہ اُن کو اپنی تجلی دکھاتا ہے اور وہ اُس کا جلوہ اسی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ اُس وقت اُن کے دلوں کی کج فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور کل شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہندوؤں کا روح کی نسبت یہی خیال ہے وہ صرف الفاظ اور مسائل ذہنی پر ہی قائم رہنا نہیں چاہتے۔ اُن کی ہمتیں بلند۔ خیالات وسیع اور سعی کے پاؤں مضبوط ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ معہولی نفس پرست ہستی کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے۔ وہ وہاں جانا چاہتے ہیں۔ اُنہیں معلوم ہے کہ ہماری روح مادی نہیں ہے۔ اس نورانی اُئینہ میں فیرنگ ساز خدا جلوہ گر ہے۔ وہ براہ راست اس جلوہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس طرح وہ خدا کو ضرور دیکھتے ہیں اور اُن کے تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔

ہندو جو سب سے بہتر ثبوت روح اور خدا کا دیتے ہیں وہ یہی ہے کہ ہم نے روح اور خدا کو دیکھا ہے اور صرف اسی کو تکمیل کہتے ہیں۔ ہندو مذہب صرف اسی بات کی کوشش نہیں کرتا کہ کسی خاص مشرب یا کسی مستند قول پر اعتقاد لائے بلکہ وہ معتقد علیہ مسئلہ کو عہای کر دکھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ ہندوؤں کی نظر اصول ہی پر نہیں ہے وہ نتیجہ پر بھی نگاہ جمائے ہوئے ہیں۔ اُن کے طریقہ میں پیہم اسی بات کی سعی کی جاتی ہے کہ کامل ہو جائیں ' فنا فی اللہ کا رتبہ حاصل ہو ' خدا کو پائیں۔ خدا کو دیکھیں ' اور خدا کی طرح کامل ( فنا فی الذات ) ہو جائے ' خدا کو پانا ' خدا کو دیکھنا یہی ہندوؤں کا مذہب ہے۔ حصول کمال کے بعد انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے ؟ وہ سرور ابدی حاصل کرتا اور زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ سرور ابدی اور ابدی حیات سے اُس ایک ذات پاک سے وصل ہو جاتا سوا ہے۔ اسی اتصال کے بعد انسان دنیا کے تمام انقلابات اور حوادث سے منزہ ہو جاتا ہے اور خدا کے ساتھ ابدی سرور کا حظ اُٹھاتا ہے۔ یہاں تک تمام ہندو متفق ہیں اور یہی ہندوستان کے کل ہندو فرقوں کا مشترک مذہب ہے۔ مگر اس کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمال قائم بالذات ہے اور جو شے غیر معدود اور قائم بالذات ہے وہ دو یا تین نہیں ہو سکتی۔ نہ اُس میں خاصیتیں ہو سکتی ہیں نہ شخصیت ہوتی ہے۔ پس جب روح کامل اور قائم بالذات ہو جاتی ہے تو ضرور روح اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں انسان اور خدا کا وصل صرف کمال ہوگا۔ وہ اپنی ہستی اور فطرت کی اصلیت کو معلوم کر لے گا اور اس



## رہنمایان ہند

کی ہستی وجود قائم بالذات - علم قائم بالذات - حیات قائم بالذات ہو جائیں گے پھر وصال الہی کا حظ کس کو حاصل ہوگا —

مگر یہ خیال درست نہیں ہے - کیونکہ جب اس ایک چھوٹے سے جسم کی واقفیت سے خوشی حاصل ہوتی ہے تو دو - تین - چار - پانچ اجسام کی ماہیت ضرور سرور موفور کا باعث ہوگی - اور کل عالم اجسام کی ماہیت سے انتہا درجہ کی خوشی اور حظ حاصل ہوگا لہذا اس انتہائی خوشی حاصل کرنے میں شخصیت ضرور جاتی رہیگی - یہ ایک بدیہی علمی نتیجہ ہے کہ انسان موت سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب وہ زندگی میں فنا ہو جاتا ہے - تکالیف کا اسی وقت خاتمہ ہوتا ہے جب وہ راحت و آرام کا ہو رہتا ہے - غلطیاں اُس وقت رفع ہو سکتی ہیں جب وہ عین علم ہو جاتا ہے - علم سے ثابت ہے کہ جسمانی شخصیت مغالطہ ہے - اور دراصل انسانی جسم مادہ کے زخار دریا میں پیہم غوطے کھانے والا اور ہر غوطہ پر نئی شکل بدلنے والا جسم ہے برخلاف اس کے انسانی ضمیر جوہر بسیط اور جزولایتخبری ہے —

علم میں صرف یہی قدرت ہے کہ اس سے وحدت دریافت کر سکیں - جب کسی علم سے کامل وحدت معلوم ہو جاتی ہے تو اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے - کیونکہ وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے مثلاً علم کیمیا کی انتہا یہ ہے کہ اس سے ایک ایسا عنصر دریافت کر لیں جس سے اور تمام عناصر ترکیب پاسکیں - علم طبیعی اُس وقت مکمل ہو جاتا ہے جب اس سے ایک ایسی قوت دریافت کر لیں جس کی اور تمام قوتیں ظہوری شکلیں ہیں - علم

مذہب اس وقت کہاں کو پہنچتا ہے جب وہ اس ذات وادک کو دریافت کر لیتا ہے جو حوادث سے مبرا اور ہمیشہ تبدیل ہونے والی دنیا کی مضبوط بنیاد ہے۔ جو صرف ایک ایسی روح ہے جس کی اور سب روحیں نہیں دھوکے میں تالنے والی ظہوری شکلیں ہیں۔ یوں کثرت اور درٹی سے وحدت حاصل ہوتی ہے۔ یہی علم مذہب کی انتہا اور کل علم کی منزل مقصود ہے۔ اور آخر میں سب کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ آج کل کی علمی دنیا یہیں تک ہے کہ وہ ہر شے کو ظاہر کرتی ہے مگر ایجاد نہیں کرتی۔ پس حصول علم سے انسان کی اس قدر خوشی ضرور متصور ہے کہ جو باتیں زمانہ دراز سے اُس کے دماغ میں بھری تھیں انہیں وہ مؤثر الفاظ میں سیکھتا ہے اور حال نتائج ماہوں سے واقفیت مزید حاصل کرتا ہے۔

اب ہم اعلیٰ اور فلسفیانہ خیالات سے گذر کر جہلا کے مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم ابتدا ہی سے کہیں گے کہ ہندوستان میں شرک و بت پرستی نہیں ہے اگر کوئی کسی بتخانہ میں کھڑا ہو کر بغور سنے تو اسے معلوم ہوگا کہ پرستش کرنے والے ان بتوں کو تمام خدا کی صفات سے موصوف کرتے ہیں جن میں حاضر و ناظر بھی ہے۔

درخت کو اس کے پھلوں سے پہچانتے ہیں ہم نے ان آدمیوں میں جنہیں بت پرست کہا جاتا ہے وہ شرافت خلوص، ارادت اور رودانی عشق دیکھا جو اور کہیں نہیں پایا جاتا تو خود اپنے دل میں سوال کیا "کیا گداہ سے عینکی پیدا ہو سکتی ہے؟"



جس طرح ہم اپنے وسیع خیالات کو اپنی وسعت نظر کے موافق کے انہیں چیزوں سے جو ہمارے پیش نظر ہیں استعارہ کرتے ہیں۔ کبھی چرخ نیلگوں یا نا پیدا گزار قلم کہتے ہیں کبھی انہیں خیالات میں ہر جگہ ظاہر ہونے والی صفت طہارت کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں تو انہیں کو کلیسا۔ مسجد۔ یا صلیب سے منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں نے تقدس۔ معصومیت اور راستی وغیرہ کے خیالات کو مختلف صورتوں اور شکلوں سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اکثر امور کے اختلافتوں سے بعض اپنی تہام زندگی اپنے بت کی نذر کر دیتے ہیں اور اعلیٰ کی طرف ترقی نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک مذہب کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ وہ کسی مذہبی اصول پر دماغی قوت صرف کریں اور اپنے ہمتوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں۔ ہندوؤں کے مذہب کا اصل اصول حق شناسی ہے۔ خدا شناسی سے انسان خدا ہو جاتا ہے لہذا بت۔ صنم خانہ۔ کلیسیا کتابیں انسان کی معین اور اس کے روحانی لڑکپن کی مددگار ہیں۔ انہیں کے ذریعہ سے وہ آگے آگے ترقی کرتا جائیگا اور کہیں نہیں رکھیگا۔

وید مقدس سے واضح ہے کہ ترقی کی کوشش میں ظاہری اور مادی پرستشیں ادنیٰ مقام ہیں۔ درود و وظائف دوسرا مقام ہے۔ مگر اعلیٰ ترین مقام وہ ہے جب انسان خدا شناس ہو جائے۔ دیکھئے وہی سرگرم آدمی جو بتوں کے آگے سجدہ کر رہا تھا آگے چل کر کیسی کوششیں کرتا ہے۔ ”سورج۔ چاند۔ ستارے کسی میں طاقت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف بیان کر سکے۔ نہ برق کو یہ طاقت۔ نہ شعلہ

کو یہ قدرت۔ یہ سب اُسی کی روشنی سے اقتباس نور کرتے ہیں۔“ مگر اس اختلات سے وہ بتوں کو برا نہیں کہتا اور نہ بت پرستی کو گناہ جانتا ہے بلکہ اس حالت کو وہ ایک ضروری مقام اپنی زندگی کا سمجھتا ہے۔

کوئی شخص اگر کسی بت کے ذریعہ سے عارتِ بالہ ہو جائے تو کیا بت پرستی کو گناہ کہنا درست ہوگا؟ نہ وہ خود جب اس مقام سے گزر کر ترقی کر رہا ہے اسے اپنی غلطی کہہ سکتا ہے۔ ہندوں کے نزدیک انسان غلطی سے سچائی کے طرف نہیں جاتا بلکہ ادنیٰ سچائی سے اعلیٰ سچائی کی طرف جاتا ہے۔ ان کے ہاں ادنیٰ مصنوعی مذہب سے اعلیٰ درجہ کے فنا فی الوجود مذہب تک سب معرفتِ خدا حاصل کرنے کے لئے انسانی کوششیں ہوں جو روح کی پیدائش اور اثرِ صحبت کے مطابق ہوتی ہیں۔ یہ سب ترقی کرنے کی منزلیں ہیں۔ اور انسانی روح ہما کے بچہ کی طرح بلندی کی طرف اُرتی ہے۔ جس قدر پرواز ارنچی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے بازوؤں میں طاقت آتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ مذہب کے آفتاب تک پہنچ جاتی ہے۔

کثرت میں وحدت کا ہونا قدرت کا ملہ کا ایک تہنگ ہے۔ ہندوں نے اُسے تسلیم کر لیا ہے۔ دیگر مذاہب میں چند مقررہ مسائل دیئے ہوتے ہیں اور کل اہل دین کو اُن کا پابند کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی تمام اہل دین کے لئے ایک ہی قبا طیار کی جاتی ہے جو زید۔ عہر۔ بکر اور خالد کے جسم پر یکساں تھیک ہو لیکن اگر عہر یا خالد کے جسم پر یہ قبا درست نہ ہوئی تو وہ برہنہ رہ گئے۔ ان مذاہب والوں کی تحقیقات یہ ہے کہ وہی روح قائم بالذات

## رہنمایان ہند

کو دریافت کر سکتی ہے ۔ یا اُس کا تصور اور بیان کر سکتی ہے جس کو اُس کے ساتھ کچھ مناسبت ہوتی ہے اور بت ۔ صلیب یا ہلالی شکل مذہب کے صرف متعدد مرحلے ہیں ۔ یعنی وہ روحانی خیال کو آگے بڑھانے کے لئے قیام کا کام دیتے ہیں ۔ گو ایسی امداد کی سب کے لئے ضرورت نہیں ہے مگر اکثروں کو ہے اور جن کو اس کی حاجت نہیں ہے اُن کو اسے برا کہنے کا بھی حق حاصل نہیں ہے ۔

یہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ہندوستان میں بت پرستی کوئی ایسی خوفناک چیز نہیں ہے جس کے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوں ۔ بلکہ یہ اعالیٰ اور روحانی سچائیوں کو معلوم کرنے کے لئے غیر نشوونما پائے ہوئے دلوں اور خام طبیعتوں کی کوششیں ہیں ۔ ہندوں میں اُن کی اپنی چند غلطیاں بھی ہیں ۔ یعنی بعض اوقات اُن کے مذہبی اصول میں چند مستثنیات بھی پائے جاتے ہیں ۔ مگر یہ امر قابل یاد رکھنے کے ہے کہ اُن سے اُنہیں ہمیشہ اپنے ہی جسم کو تکلیف دینے مقصود ہوتی ہے ۔ وہ اپنے ہمسایوں کے گلے گند چھری سے نہیں کاٹتے ۔ مثلاً کوئی ہندو و مجذوب مذہبی جوش میں چتا پر جل کر خاک ہو جائے تو وہ اپنے ہی جسم کو سزا دیتا ہے ۔ رومن کیتھولک مذہب کی دینی عدالتوں کی طرح خارجیوں اور ملحدوں کی آزمائش یا سزا دہی کے لئے آگ مشتعل نہیں کرتا ۔ تاہم اس فعل کا مذہب ہندوں پر اتنا ہی اثر ہو سکتا ہے جتنا ساحرہ عورتوں کے جلانے کا مذہب مسیحی پر ہو سکتا ہے ۔

اہل ہند کے عقائد کے موافق جہاں مذاہب کی دنیا سفر آخرت ہے جس میں مختلف مرد و زن مختلف



طریقوں اور حالتوں کے مسافر ہیں اور ایک ہی منزل مقصود پر پہنچنے والے ہیں۔ ہر مذہب میں انسان کی مادی ہستی سے خدا کو ظاہر کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اور خدا ہی کی جانب سے ہر مذہب کے رہنما کو اس بات کا الہام ہوتا ہے۔ پھر مذہبوں میں اس قدر باہمی فقیض اور خلات بیانی کا کیا سبب ہے؟ ہندو کہتے ہیں یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ سچائی کے ایک ہی اصول کو مختلف طریقوں اور پیرایوں سے باہم ملا کر ایک کرنے میں تضال اور تداقض پیدا ہوتا ہے۔

ایک ہی روشنی مختلف رنگوں میں نمودار ہوتی ہے۔ اور اس روشنی کے رنگوں کا اختلات باہمی احوال کے لئے نہایت ضرور ہے۔ یہی اصول ہر دل میں جاگزیں ہے۔ خدا نے ہندوؤں میں اپنا اوتار سری کرشن کی صورت میں ظاہر کر کے یہ اصول یوں سمجھایا ہے۔ ”میں ہر مذہب میں سلک سروارید کے ریشم کی طرح ہوں۔ تم جہاں غیر معمولی طہارت اور عجیب و غریب طاقت کو، انسانی ہستی کو ترقی دیتے ہوئے اور پاکیزہ بناتے ہوئے دیکھو سمجھو لو کہ میں وہاں موجود ہوں۔“ اسی تعلیم پر نظر کر کے ہم ہر معترض کو حریفانہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ از اول تا آخر سنسکرت کے تہام فلسفہ میں کوئی ایسا مقام بتائے جہاں یہ بیان کیا گیا ہو کہ ہندوؤں کے سوا اور کسی کی مغفرت نہیں ہوگی۔ بیاس جی کا قول ہے کہ ہم اپنی ذات اور مذہب کے باہر بھی کا ملین کو پاتے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر بیان کو ہندو مذہب کا عطر اور لب لباب کہہ سکتے ہیں مگر اس مذہب کو دیگر مذاہب

## رہنمایان ہند

کی طرح ایک ہی شخص نے ایک ہی وقت میں وضع نہیں کیا ہے بلکہ اسے مختلف رہنماؤں، رشیوں اور سنتوں نے جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے ہزار ہا سال کے عرصہ میں بنایا ہے۔ اب ہم ناظرین کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے اس برتر اور اعلیٰ مذہب کے مختصر تاریخی حالات اور واقعات درج کرتے ہیں۔ اور اس بیان میں اہل مصنفین کا تتبع کر کے ہندو مذہب کی نشوونما اور ترقی کے زمانہ کو سات دور میں منقسم کرتے ہیں۔ ہر دور کی انشا پر دازی اور اس کے رہنما، رشی، سنت، اور شاستر جدا جدا ہیں۔ اسی سے ہندو مذہب کی نشوونما اور ترقی کے زمانوں کی مختلف حالتیں دریافت کرنی بہت آسان ہیں۔ ہاں یہ امر اس وقت دشوار ہوتا ہے جب ہر دور کی انشا پر دازی میں اختلاف نہوتا ہر دور کے علم الہی میں بیشمار تصانیف موجود نہوتیں۔

ہم ہندو مذہب کی بڑا ابتدائے قیام مذہب سے شروع کرتے ہیں۔ اس زمانہ کی تاریخ رک وید سے معلوم ہوتی ہے۔ عیسوی علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پیشتر کسی مقام وسط ایشیا سے ایک قوم ہند میں آئی۔ وہ اوگ ایرین کے نام سے مشہور تھے اور فی زمانہ وہ اہل ہند اور اہل یورپ کے مورث اہلی فرض کئے گئے ہیں۔ اصل میں وہ گلہ بان اور خانہ بدوش تھے۔ مگر پنجاب کی سر سبز وادی میں داخل ہو کر کاشتکاروں کی طرح آباد ہوئے اور خوش گزران زندگی بسر کرنے لگے۔ جب وہ ہندوستان میں وارد ہوئے تو شاید انہیں مذہب اور خدا کی طرف بہت ہی کم توجہ تھی۔ مگر یقیناً ایک مدت

کے بعد یہاں کے دلکش منظر - نیلا گوں آسمان ' روشن چاند ' تازگی بخش دریا ، صاف شفاف نہروں ، سرسبز مرغزاروں ، رنگ برنگ کے پھولوں اور عظمت و شان نے اُن کے دلوں میں اعلیٰ خیالات پیدا کر کے انہیں صانع مطلق کی نامتناہی اور کامل قدرتوں کی طرف رجوع کر دیا وہ بڑے خوش نصیب تھے ۔ انہیں دنیا کے گُل عیش و آرام حاصل تھے اُن میں ایسے بھی پیدا ہوئے جنہیں بہشتی نور بخشا گیا ۔ وہ قدرت کاملہ کی حسن خوبی کی تعریفیں کرتے ۔ اور قادر مطلق کی جو قدرت کاملہ کا فرمانروا اور ہادی ہے حمد و ثنا کے گیت گاتے تھے ۔ انسانی خلقت میں یہی پہلے لوگ تھے جنہوں نے مالک گُل کا تصور کیا اور اُس روح کو محسوس کیا جو عالم ایجاد کی ابتدا اور افتہا ہے ۔ انہوں نے علم روحانی اور اخلاقی دونوں میں برابر ترقی کی ۔ ہندوں کی اس ترقی میں پانسو برس سے زیادہ گزرے ۔ اور اول اول مذہب کا تخم رگ وید کے لا تعداد گیتوں نے بویا جن کو مختلف شخصوں ، مختلف مقامات میں تصدیق کر کے گایا ۔ ان تمام گیتوں میں کم و بیش خالق اہم کے عشق اور عظمت کی بوع خوش آتی ہے جو تمام دنیا کا حکمراں ہے —

ہندو مذہب کا پہلا دور اس طرح ختم ہوا ۔ مگر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گانے اور عشق الہی کو نظم دلکش میں ظاہر کرنے سے اُن کی تسکین نہوئی ۔ اس خیال نے رفتہ رفتہ ان کی آرزوں کا حوصلہ بڑھایا اور اُن کے دل میں اس رفیع الشان ، وسیع ، خوبصورت عالم کی مالک سے قربت حاصل کرنے کی تمنا پیدا کی ۔ اکثر غور و فکر کرنے والوں نے خدا کی نزدیکی اور عیش الہی حاصل کرنے کے وسائل دریافت کرنے میں بڑی دماغ سوزیاں کیں ۔ اس وقت



## رہنمایان ہند

منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے دو فریقوں نے دو مختلف طریقوں سے کوششیں کیں۔ ایک فریق نے بیشمار رسوم مذہبی اختراع کر کے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور دکھایا کہ ان کی پابندی سے صفائی قلب حاصل ہو کر نیکی پیدا ہوگی۔ اور بہشت نصیب ہوگی۔ دوسرے فریق نے رسوم مذہبی کی پروا نہ کی اور ایک دوسری قسم کی کتابیں لکھیں جن کو مذہبی دنیا میں علم فلسفہ کی ابتدا کہنی چاہئے۔ لیکن گو ایک گروہ نے درس کتب اور دوسرے نے دماغی اصلاح سے خدا شناسی کی سعی کی۔ ان دونوں کی کوششیں مذہب کی نشو و نما اور ترقی میں دوسرے درجہ سے زیادہ فائدہ تھیں۔ ان فریقوں نے دو قسم کی انشا پرہازی چھوڑی ہے جن میں سے ایک کو ”برہمنہ“ اور دوسری کو ”اپنشد“ کہتے ہیں۔

یوں ہندو مذہب کا دوسرا دور ختم اور تیسرا شروع ہوا۔ یہ زمانہ اہل ہند کی مذہبی ترقی ہی کے لئے مشہور نہیں ہے بلکہ اس میں ان کا تمدن، دنیاوی جاہ و ترقی کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا۔ ان کی حکومت ہمالیہ سے لیکر بحر ہند کے کنارے تک ہو گئی۔ ان میں بڑے بڑے طاقتور حکمران ہوئے اور ان کی سلطنتوں میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیاں ہوئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں سری کرشن مہاراج نے ظہور فرمایا۔ کلچھپتر کے میدان میں جنگ عظیم ہوئی۔ اسی زمانہ میں یسک نے فرک تصنیف کی۔

نپلی نے صرف و فہم کے رسالہ لکھے پاتنجل نے جوگ کی کتابیں تصنیف کیں۔ کپل نے سافکھیہ والوں کا فلسفہ لکھا۔ اسی زمانہ میں برگزیدہ بیاس جی نے ویدوں کی تالیف کی اور والہیکی رامائن لکھی گئی۔ جس وقت تمام دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی ہندوں کی قوم میں اعلیٰ

137182

تہذیب و شائستگی اور ترقی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ۔ مذکورہ بالا اول دوروں کے خلاف ہم اس دور کا زمانہ ایک ہزار سال سے کم شمار نہیں کرسکتے ۔ اس کی ابتدا کپل اور دیگر چند فلسفیوں کی پیدائش سے ہوئی ۔ اس کا درمیان کلچھپتر کی جنگ اور اس کی ابتدا ہونے کا زمانہ تھا ۔

چوتھا دور ہونے کا زمانہ کے دوران میں گزرا ۔ بالعموم لوگوں کا خیال ہے کہ ہونے بالکل ایک جدا مذہب ہے ۔ مگر افسوس اس سے زیادہ اور کوئی رائے غلط نہیں ہوسکتی ۔ ہم آگے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہونے کے بعد اسی مذہب کے وعظائے جو سری کرشن نے تعلیم کیا تھا ۔ ہونے مذہب کے اقبالی کا ستارہ ہند میں ایک ہزار سال سے زیادہ چمکتا رہا اور یہ ہندوؤں کی اعلیٰ تہذیب اور تمدن کا زمانہ تھا ۔

مگر ہونے مذہب کے آخری زمانے میں بہت بڑا تغیر اور انقلاب ہوا ۔ یعنی ادھر ہندو مذہب نے آہستہ آہستہ وسعت حاصل کر کے طاقت پکڑی اور عظمت پائی ادھر ہندوؤں کی تہذیب و شائستگی کو پیرانہ سالی نے گھیر لیا اور اس میں ضعف آگیا ۔

پانچواں دور بڑی روشنی کے زمانہ میں شروع ہوا اور تاریکی میں ختم ہوا ۔ اس کی ابتدا وکرمات کے عہد سلطنت اور شنکر اچارج کی پیدائش کے زمانہ میں ہوئی اور اختتام مسلمان غزیموں کی فتوحاتی پر ہوا ۔ یہ دور سات سو برس تک قائم رہا ۔ جس کے اول دو سو برس تک روشنی کا زمانہ تھا اور آخری پانسو برس میں سخت تاریکی رہی ۔ اس دور کو پورانیہک زمانہ

## رہنمایان ہند

کہتے ہیں - اس زمانہ میں بیشمار پران اس غرض سے لکھے گئے کہ ہندو مذہب کا اثر بنی آدم کے دلوں پر بخوبی پڑے مگر کوئی عہدہ نتیجہ نہ نکلا - کیونکہ ہندوں کی تہذیب روحانی عظمت و شان سے گر گئی اور اس کی روشنی کے مطلع پر تاریکی کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں -

چھٹا دور ہندوستان میں اسلامیہ سلطنت کا زمانہ تھا - اس زمانہ میں بھی علمائے دین کا ظہور ہوا - وحشی اور سبت پیدا ہوئے اور مذہب کی روشنی پھیلانے کے لئے جو جہل کی تاریکی سے ماند ہوئی جاتی تھی بہت کوششیں کی گئیں - گو اس مذہب کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ہندوں کی فضیلت - فوقیت اور عظمت جاتی رہی تھی تا ہم غاصب زمانہ دست برد اور جبر و تعدی سے اس کا سرفہ جہکا سکا اس میں شک نہیں کہ ہندو مذہب بظاہر دنیا سے مفقود ہو گیا - عام لوگوں کی سوسائٹیوں سے جو آئے دن کی خانہ جنگیوں اور جہل و تعصب سے معمور تھیں غائب ہو گیا - مگر وہ چند ایسے شخصوں کے دلوں میں ضرور باقی رہا جو سوسائٹی کے جھگڑے بکھیڑوں سے علیحدہ تھے اور وہیں نہایت خاموشی کے ساتھ روشنی ، ترقی اور وسعت حاصل کرتا رہا - اس وقت کے ہندو مذہب کی نسبت اگر کوئی زیادہ سے زیادہ خراب بات کہی جاسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ مذہب حالت خواب میں تھا - مگر وہ اس حالت میں عرصہ تک نہیں رہا - سوتے ہوئے شیر کی طرح یکا یک بیدار ہو کر گرجنے لگا اور ایک ہزار سال کے بعد اُس نے "نہے چیتن" کے جھنڈے کے نیچے اپنی قدیم آب و تاب اور اصلی چمک دمک کے ساتھ جلوہ دکھایا -

ہندو مذہب کا ساتواں اور آخری دور حال کا زمانہ



ہے چہتے دور میں اسے دنیا کے بڑے طاقتور مذہب اسلام سے مقابلہ کرنا پڑا آخری دور میں زمانہ موجودہ کے نہایت نامی گرامی مذہب مسیحی سے اس کی متد بہیز ہوئی مگر کوئی اس پر غالب نہ آسکا بلکہ ان مذہبوں کے مد مقابل ہونے سے اسے اپنی نشو و نما، تازگی اور طاقت و عظمت حاصل کرنے میں بہت بڑی مدد ملی ہے۔

ہماری رائے میں ہندو مذہب کی نشو و نما اور بالیدگی ترقی کر رہی ہے۔ یہ امرت پھل کا سرچیوں درخت مقدس ویدوں کی زبان پاک سے مناسب موسم میں آگا۔ سریکرشن کی آبپاری اس میں کرپاپیں نکال لائی۔ اور گوتم بدہ کی پیدائش سے اس کی نشو و نما کو اعلیٰ درجہ کا کہاں حاصل ہوا۔

اس کے بعد ہندو مذہب سے مختلف جدید مذاہب پیدا ہوئے اور وہ جہل اور تعصب کے ہاتوں نہایت رکی حالت میں ہو گیا۔ مگر ”نہے چیتن“ کی پیدائش سے پھر اس کی اصلی اور پرانی قوتوں نے ہود کیا۔

یہ ایک ذات یا ایک فرقہ کا مذہب نہیں جیسا کہ عوام الناس کا عقیدہ ہے۔ بلکہ کل بنی نوہ انسان کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ جس وقت د خانی جہا ز ریل تار، تجارت اور فتوحات سے کل دنیا مل جل کر ایک ہو جائے گی ایک اور رہنما پیدا ہونے کا کہ ہندو مذہب تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے۔ ہاسیانہ خیالات کے لوگوں کی رائے کے خلاف یہ جاہلوں اور ناپاکوں کا مذہب نہیں ہے۔ اسے رہنماؤں، رشیوں اور ملتوں نے

## رہنما یان ہند

وضع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص ہندو مذہب کو جاننا، پڑھنا، یا حاصل کرنا چاہے تو وہ بڑے بڑے رہنما رشی اور سنتوں کی تلقین غور سے پڑھے۔ یہ بزرگ لوگ خدا کے اوتار تھے۔ اُن کے اقوال وید مقدس ہیں جو آسمانی وحی اور ربانی الہام ہیں جو خدائے تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے انسان کو کرامت فرمائے ہیں۔

ہندو مذہب کے سمجھنے میں جو دو قسمیں پیش آتی ہیں اُن کا یہی باعث ہے کہ اور مذہبوں کی صورت ایک صورت ہے مگر اُس کی تین مختلف شکلیں ہیں۔ یہ تینوں شکلیں نجات حاصل کرنے کے تین زینے ہیں۔ پہلا زینہ قربانیاں ہیں جو مادی اشیا کی مدد سے کی جاتی ہیں۔ دوسرا زینہ دل کی صفائی ہے۔ جس سے اوصاف حمیدہ کا اختیار کرنا۔ نفس امارہ کو قابو میں لانا۔ اور ہر طرح پر دلی شرافت اور عظمت حاصل کرنی سزا ہے۔ تیسرا زینہ روح سے تعلق پیدا کرتا ہے۔

اور مذہبوں میں پہلے دو زینے نہیں ہیں۔ تیسرا زینہ کچھ یوں ہی تووتا پھوٹتا سا ہے ان مذہبوں کے پیرو صرف دلی اصلاح پر زور دیتے ہیں۔ اسی اصلاح کو نیکیوں کے پیدا ہونے کا خاص ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ اور نیکیوں کے پیدا ہونے سے نجات کا ملنا قیاس کرتے ہیں۔ مگر ہندو تینوں طریقوں سے ہر ایک کو بجائے خود نہایت ضروری اور اعلیٰ درجہ کا کارآمد سمجھتے ہیں۔ یہی اور مذاہب سے اختلاف ہے اسی وجہ سے اُن کے مقابلہ میں ہندو مذہب کا ٹھیک اور صحیح طور پر سمجھنا بہت دشوار ہے۔

## رہنماوں کی تعریف

قدرت کاملہ کی ماہیت دریافت کرنے والے کو عالم اور اُس کی صنائعیوں اور دستکاریوں کا پر اثر الفاظ میں مرقع کھینچنے والے کو شاعر کہتے ہیں۔ عالم قدرتی اشیا کے اوصاف اور اُن کے قابل قدر فائدے بتاتا ہے۔ شاعر اُن کی حسن و خوبی بیان کرتا ہے۔ علوم و فنون کے حاصل کرنے سے ہر انسان عالم ہو سکتا ہے۔ مگر شاعر اپنا قدرتی دماغ اور اپنی فطری ذہانت اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں عام بہت ہیں شاعر کمیاب۔ ایسے شاعر جنہیں شاعر کہہ سکیں۔ سارے جہان میں دس بیس ہونگے اس کثرت اور قلت کا یہی سبب ہے کہ ہر شخص ذاتی تربیت سے اپنے مبلغ استعداد کو زیادہ قیمتی بنا کر خطاب فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ مگر بغیر الہام غیبی اور تائید آسمانی ہر انسان کا ذکی الطبع اور عالی دماغ شاعر ہو جانا محال ہے۔

جو فرق عالم اور شاعر میں ہے وہی نسبت فلسفی اور رہنما میں ہے۔ فلسفی ابدی خوشی کے طریقوں پر بحث کرتے ہیں اور رہنما اُسے حاصل کرنے کے راستے بتاتے ہیں۔ فلسفی ہر زمانہ میں سہکڑوں ہوتے ہیں مگر رہنما بہت کم پیدا ہو سکتے ہیں۔ فلسفی ہونا علوم تفسیر کی تحصیل اور غور و فکر پر منحصر ہے اور رہنما غیبی



## رہنمایاں ہند

الہام سے سوئند ہوتے ہیں۔ اُن کے جسم میں خالق اکبر کا نور جاوہ گر ہو کر انسان کی بہتری کے لئے طرح طرح کے کار نمایاں کرتا ہے اس لئے رہنما خدا تعالیٰ کے مجسم نور پاک یا اوقار کہے جاتے ہیں۔

عالم موجودات کامل بالذات ہے۔ ذرہ سے لے کر سطح آسمان تک جس میں لا تعداد ستارے جڑے ہیں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کو غیر مکمل کہہ سکیں۔ کیونکہ اس عالم میں جہاں بیشمار ضرورتیں خلق ہوئی ہیں وہاں اُن کو رفع کرنے کے لئے ہر قسم کے سامان بھی مہیا کر دیئے گئے ہیں۔

ہر انسان کے دل میں ابدی خوشی حاصل کرنے کی ایک اندرونی خواہش ضرور ہوتی ہے۔ وہ از خود محسوس ہوتی ہے اور اس میں کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسان دل ہی دل میں کٹتا ہے۔ بچہ سے لے کر بڑھے تک ایسا کوئی بشر نہیں ہے جس کے دل میں یہ حسرت نہ بھری ہو اور جو اس کے نکالنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔

کیا خدا تعالیٰ نے ایسا پانی پیدا نہیں کیا ہے جس سے یہ انسانی پیاس بجھے! کیا یہاں عالم نامکمل رہ گیا ہے؟ کیا آلام دنیوی سے جو انسان کے دل گھیرے ہوئے ہیں رہائی محال ہے؟ نہیں نہیں۔ جس خداوند کار ساز نے اس عالم موجودات کو تمام خوبیوں سے آراستہ کر کے کامل بنایا ہے اُس نے اس خواہش کے پورا کرنے کو ذرائع اور وسائل بھی پیدا کئے ہیں۔ یعنی عالم اسباب میں ایسے سبب بھی ہیں جس سے ابدی خوشی دائمی راحت اور نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ظاہری

تہا نہیں ہے جو قدرتی نعمتوں کے ملجانے سے پوری ہو جائے بلکہ یہ آگ انسان کے دل میں جلتی ہے۔ پس وہ پانی بھی جس سے یہ دل کی لگی بجہہ سکے دل ہی میں موجود ہے۔

انسان کا دل بذاتہ بہت بڑا وسیع عالم ہے جس میں لاتعداد ذہنی قوتیں اور بیشمار چیزیں موجود ہیں۔ مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان میں وہ کونسی چیز ہے جو آب حیات کا اثر رکھتی ہے۔ جس سے پیکر انسان ابدی خوشی حاصل کر سکتا ہے۔ ہزاروں فلسفیوں نے دریائے فکر میں فواصی کی مگر درمقصد ہات نہ آیا۔ لاکھوں دانشمندوں نے اس دقیق مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر طریق نجات کے دریافت کرنے میں قاصر رہے اور سعی مشکور نہوئی۔

بظاہر یہ حسرت انسان کے ساتھ ہی دفن ہوتی نظر آتی تھی۔ مگر حقیقی کار ساز کا کوئی کام ادھورا نہیں ہوتا اس نے ابدی خوشی کا رستہ بتانے کے لئے رہنما پیدا کئے جن کے نورانی قالب میں نور پاک نے جلوہ دکھا کر انسان کو سیدھی راہ چلنے کی ہدایت کی مگر ایک ہی وقت میں ایک ہی رہنما نے اس اہم امر کی تکمیل نہیں کی۔ مختلف زمانوں میں دنیا کے متفرق حصوں میں متعدد رہنماؤں کا ظہور ہوا۔ یوں سالہا سال میں یہ شوار مرحلہ طے کیا گیا۔ یہ بہت صاف کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ جب انسانی خلقت الگ الگ فرقوں میں منقسم ہو گئی ہر فرقہ کی تعلیم و تہذیب میں اختلاف پڑا ہر فرقہ کے حکما اور دانشمندوں نے مختلف رائیں ظاہر کیں اور جدا گانہ قواعد مرتب کئے تو کل فرقوں

## رہنمایانِ ہلہ

میں تعصب آمیز اور باطل خیالات پھیل گئے جو رہنمائے اول کے بعرفیض کی روانی کے سدباب ہوئے اور اس کی ہدایت تعلیمات بنی آدم کے کل فرقوں میں نہ پہنچ سکیں یا جہاں پہنچیں وہاں ان کے معنی غلط سمجھے گئے اور ان میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اس لئے دنیا میں اور رہنماؤں کی ضرورت ہوئی تاکہ پہلے رہنما کی تعلیمات کو سمجھوں کو شرح و بسط کے ساتھ سمجھائیں یا جہاں دو ہدایات نہ پہنچیں ہوں وہاں ان کی اشاعت کریں۔

کرم (عمل) گیان (علم) اور بھکتی (عشق) یہ تین بڑے اصول خدا تعالیٰ نے اپنے رہنماؤں کی سوانح عمری اور زبان سے انسان کو عطا کئے۔ انہیں اصول اعظم کا مجموعہ ابدی خوشی حاصل کرنے کا رستہ ہے۔ ہماری سوجھ بوجھ میں آنے سے قبل یہ حکم الہی ہم کو دئی دفعہ سچھا یا کیا پہلے ہم نے لفظ عمل سنا اور اعمال کو علم اور عشق پر ترجیح دی اور تحقیق انبیاء نے بعد بہت سے مسائل ذہنی وضع کئے تاہم ہمارے ذہن میں نہ آیا کہ دراصل اس لفظ کا مفہوم کیا ہے

ایک ہزار سال بعد دوسرے رہنما کا ظہور ہوا جس نے یوں لفظ عمل کی تشریح کی کہ دلم کے کہاں سے فرائض کو پہچاننا یعنی اعمال سے سچے اور پاک اعمال مراد ہیں۔ اس رہنما کی ذات عشق الہی کا وجود تھی۔ ہوام الناس نے اس کے خلاف طہارت کو عشق سے برتر قرار دیا۔ دو ہزار برس بعد تیسرا ہادی پیدا ہوا۔ جس نے عشق الہی کی تفسیر کی اور بیان کیا کہ قدرت کاملہ اور اس کے خالق کا عشق کامل ہی علم ہے جو متبرک



اعمال کو روشن کرتا ہے طہارت خواہ کیسی ہی مکمل کیوں نہ ہو قادر مطلق اور اُس کی قدرت کاملہ کے عشق بغیر بہشت کا رستہ نہیں بتا سکتی۔

انسان کی نافرمانی پر کہاں افسوس ہے تین مرتبہ حکم الہی - یعنی عمل - علم اور عشق غلطی نہ کرنے والی آوازوں سے سنا اور ہر مرتبہ اُس کے مطلب سمجھنے سے معروم رہا اس لئے اس ایک حکم سے بہشت کے تین مختلف رستے پیدا ہو گئے۔ بعضوں نے عمل یعنی کرم کاندہ اختیار کیا۔ اور قربانی پرستش بندگی عبادت وغیرہ اس سے مراد ہی بعض نے علم یعنی گیان کاندہ کو ترجیح ہی سچی اور سخت انلائی پانچیز کیوں 'ریاضت اور دشوار قیود مذہبی کو راحت جاودانی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا یا۔ بعض نے بھکتی مارگ یعنی عشق الہی میں بیخود اور وارفتہ ہو کر تلقین کیا کہ رقص و سرود تصور اور خالق مطلق کی صحبت ہی صرف ایسا جہاز ہے جو انسان کو اس بحر نا پیدا کنار کے ساحل پر پہنچا سکتا ہے۔ فلسفیانہ خیالات اور تعصب مذہبی نے اس جلتی ہوئی آگ کو اور بھی مشتعل کر دیا اور انسانی خلقت مذہبی قیود اور متعصبانہ رسوم کے ناہموار میدانوں میں تھوکرین کھانے لگی۔

انہیں تین رہنماؤں پر عالم کی رہنمائی ختم نہیں ہو گئی۔ دنیا کے مختلف حصوں میں چند اور رہنما بھی گزرے جنہوں نے یہی تین اصول اعظم تلقین کئے یا زمانہ کی حالت اور ان ملکوں کی ضرورت کے موافق جہاں ان کا ظہور ہوا یہ اصول ثلاثہ یا ان کے حصے واضح کر کے سوجھائے اس طرح متفرق حصص عالم میں متعدد رہنماؤں کی رسالت مختلف مذاہب کے قیام کا باعث ہوئی۔ ادھر حکما اور دانشوروں نے ہر مذہب میں فور و فکر

## رہنما یان ہند

کے بعد دخل در معقولات کیا۔ ادھر مصلحان قوم اور بزرگان دین نے جو اپنے علم و فضل کے غرور سے خود بین ہو رہے تھے ترمیم و تدریج شروع کر دی الغرض ہر طبقہ کے عقلمندوں نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق مذہبی قواعد اور اصول منضبط کئے اور اصل مطلب فوت ہو گیا۔

در اصل ہندوؤں میں یہ چار اعلیٰ درجہ کے رہنما ہوئے ہیں۔ پہلا رہنما پیدا ایش ہی کے دن سے نبوت کی قابلیت رکھتا تھا اور نور مقدس کا مجسم اوتار تھا۔ یہ صورت زمانہ کے سلسلہ ہی میں دنیا کا پہلا رہنما نہ تھا بلکہ ہر معنی میں اول رہنما ہونے کا مستحق تھا۔ کیونکہ جن رہنماؤں پر اس کو تقدم کا فخر حاصل تھا انہوں نے اسی کی تعلیمات کی تائید کی یا ان کی شرح اور وضاحت کے ساتھ تلقین کی باقی اور تین رہنما پیدائشی اوتار نہ تھے جب ان میں رسالت کی قابلیت اور انوار الہی کے ضبط کی طاقت پائی گئی اس وقت ان کا جسم خاکی پاک نور سے منور ہوا۔ یہ رہنمائے اول کے کلام کے شارح تھے۔

یہ امر نسلہ ہے کہ ان چار رہنماؤں کے علاوہ ہندوؤں میں چند اور بھی رہنما گذرے ہیں۔ لیکن معمولی خیالات کے آدمیوں نے عموماً غلطی سے رشیوں اور سنتوں کو بھی رہنما مان لیا ہے۔ رشی یعنی علماء وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسوں کی کتب بیہنی اور مراقبوں سے علم الہی حاصل کیا ہے۔ سنت یا فقرا وہ ہیں جن کو خدا شناسی کو عقل دی گئی ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنی ذاتی تربیت اور جسمانی ریاضت سے ابدی خوشی کا لطف اٹھاتے ہیں اور رہنما وہ ہیں جن کے قالب

خاکوں میں نور مقدس کی روغنی گہراہ انسانی خلقت کو بہشت کا رستہ دکھانے کے لئے چراغ ہدایت کا حکم رکھتی ہے —

پہلا رہنما ایک کامل شخص تھا ہم اس کی سوانح عمری میں اول سے آخر تک عمل ہی کی فضیلت پاتے ہیں ۔ اُس کی زندگی کا اصل مقصود عمل تھا ۔ دوسرا رہنما طہارت اور پاکیزگی میں بے نظیر ہوا ۔ تیسرا عشق الہی کا وجود تھا ۔ چوتھا توحید کے مسئلہ میں فرد تھا ۔ ان کے سوا اور رہنما ان چاروں کے مقلد تھے —



## سوانح عمری سری کرشن

تقریباً چار ہزار برس پہلے ایک قوم کنگا اور جمنا کی دلکش وادی میں آباد تھی۔ جب اس قوم کی تہذیب اور شائستگی اوج کمال پر پہنچی تو بڑے بڑے فلسفی اور متبہر عالم ان لوگوں میں پیدا ہوئے جنہوں نے روحانی خوشی کا رستہ دریافت کرنے کے لئے بڑا دماغ صرف کیا۔ دنیوی تکالیف سے نجات پانے کے لئے بہت کچھ چھان بین کی دقیق مسئلہ انسان کو حل کرنے کے مختلف طریقوں پر بڑے شد و مد کے ساتھ مکا لہے اور مباحثے کئے مگر کوئی قابل اطمینان نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ ابدی خوشی جاودالی راحت اور سعادت دنیا و آخرت حاصل کرنے کے واسطے مذہبی عقائد کے موافق جو طریقے ایجاد ہوئے ان کی تکمیل کے لئے مختلف قواعد و اصول اور بہت سی رسوم قربانی وغیرہ اختراع کی گئیں تاہم نوع انسان کی پیاس نہ بجھی اور اس چشمہ حیوان تک جس کا آب مصفا زندگی جاوید بخشتا ہے۔ پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔

آخر کار دریائے رحمت الہی موجزن ہوا اور نور پاک نے آسمان سے نزول فرما کر ایک مالکوتی صفات رھنما کے قول و فعل سے انسان کو اس رستہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی جو سیدھا ابد آباد کو چلا گیا ہے۔



یہ قدسی صفات رھنما سہی کرشن مہاراج تھے ۔ انھوں نے مہالک متحدہ کے مشور شہر متھرا میں ظہور فرمایا جو دریائے جھنا کے کنارے واقع ہے ۔ اس شہر کے کنارے دریائے جھنا کی روانی نے کوسوں تک زرخیز زمین کو سرسبز اور سیراب کر کے ایک خوشگما منظر بنا دیا تھا ۔ دریا کے اوپر کی جانب تھوڑے فاصلہ پر تھال کا سرسبز جنگل تھا ۔ ہر سمت تھال \* ۔ بکل + اور کدم کے جھلارے درختوں کے گنجان جھنڈ تھے ۔ جن کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں جابجا سایہ دار درختوں کے نلے پاکیزہ اور خوشگوار چھوٹے چھوٹے چشمے جاری تھے ۔ اس کے دل کش مرغزاروں میں خوبصورت ہرن غول کے غول ہری ہری درب پر کلیلیں کرتے اور سیکڑوں دلربا ساؤس پھولے پھلے درختوں کے سائے میں ناچتے تھے ۔ یہ مقام باشندگان متھرا کا تفرج گاہ تھا ۔ یہاں نوجوان قوم اپنے عیش و عشرت کے جلسوں میں دن ہولی رات دوالی کے لطف اٹھاتے اور بزرگان خاندان جگ اور قربانیاں کرتے تھے ۔ یہاں جادوں خاندان کی نوخیز کنواری اڑکیاں رنگ رلیاں منائیں اور دتمخدا عورتیں فرصت کے وقت جو بہلاتی تھیں ۔ غرضکہ پر فضا بندراہن دریائے جھن کے کنارے متھرا کے ہر چھوٹے بڑے ' اسپر غریب ' بوناؤ پھر کا رمدا تھا ۔

متھرا سے چل کر تھوڑی دور نیچے کی طرف اب دریا ایک سرسبز گاؤں کوکل آباد ہے ۔ یہ گوالوں کی ہستی تھی جو جسمانی قوت ' دنیاوی فارغ البالی کے علاوہ

\* یہ درخت نواح بندراہن مہن اب بھی اسی نام سے مشہور ہے

+ مولسری = مترجم

## زہلمایانِ ہند

فیکہبختی دیانت داری اور سادہ دلی میں ضرب المثل تھے۔ اُن کی مالی حالت اوسط درجہ کی تھی کوئی ان میں امیر کبیر نہ تھا تو کوئی فاقہ کش بھی نہ تھا۔ سب پیشہوار مویشیوں کے مالک اور دریا کے کنارے کوسوں تک سرسبز و شاداب اراضی پر قابض تھے جس میں اُن کے مویشیوں کی چراگاہیں تھیں۔ اسی کی بدولت وہ اپنی قوم میں آزادی اور سادہ مزاجی کے ساتھ خوش گزران زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کی عورتیں حسین، دلفریب راستہ باز اور سادہ مزاج تھیں، اس کے ساتھ ہی صانع قدرت نے شوخی اور بیبائی اُن کی رگ رگ میں کھوت کر بھری تھی۔ غرض گوکل میں تندرستی، فارغ البالی اور حسن زاہد فریب کے ہر طرف دور دورے تھے۔ اسی سے یہ مینوسواہ خطہ ایسا دلچسپ تھا کہ یہاں دیوتا آکر رہنے کی تمنا کرتے —

اُس زمانہ میں جس کا ہم بیان کرتے ہیں اس شہر فروہ فرقہ کے سرگروہ نند جی تھے۔ ان کے سوا اور کوئی شخص ایسا نیک اور لایق نہ تھا جو اس سادہ دل قوم کا سرپرست بنایا جاتا۔ اُن کی زوجہ جسودھا بھی تمام جہدہ خصائل میں ان کی ہمسر تھیں۔ گوکل کے سب مرد و زن ان دونوں کو عزیز رکھتے۔ معزز سمجھتے ان سے خائف اور انکے فرمانبردار رہتے تھے۔ نندجی کا اخلاق اسقدر وسیع تھا کہ مٹھرا کے شاہی خاندان میں بھی اُن کی عزت ہوتی تھی۔ اس وقت مٹھرا کا حکمران راجہ کنس تھا۔ اُسکے ظلم، بیرحمی، نا انصافی اور سفت گیری سے جو اُس کے خہر میں تھے رہایا اُس سے نفرت کرتی تھی اور دشمنی کاپیتے تھے۔ مگر

اس کے شاہی رعب اور سلطانی جبروت سے کسی کو اس کے خلات دم مارنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا —

ظالم حکمران اپنی رعیت سے ہر وقت خائف و مشکوک رہتا ہے۔ راجہ کنس بھی اسی مسلہ کلیہ کے تحت میں تھا۔ اسے بھی ہر دم یہی خون دانگیر رہتا تھا کہ دشمن موقع پا کر ہلاک نہ کر ڈالیں۔ اس نے اس امر کے دریافت کرنے میں سعی موفور کی کہ اسے زیادہ تر کس شخص سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے تاکہ بطور حفظ ما تقدم اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرے۔

جب اسے نجومیوں سے معلوم ہوا کہ اس کی بہن دیوکی کا اٹھواں فرزند اس کا قاتل ہوگا۔ اس نے فوراً اپنی بہن دیوکی اور اپنے بھتیجی واسدیو کو مقید کر کے مارتالنے کا قصد دیا جس سے ان کی آئندہ نسل کا خاتمہ بھی ہو جائے یہ دونوں قیدی راجہ کے قدموں پر سر رکھ کے رحم کے منتجی ہوئے اور پاک حلف سے اقرار کیا کہ ہم اپنے کل بچے راجہ کے حوالے کر دیں گے اور وہ معصوم پیدا ہوتے ہی ہلاک کئے جائیں گے تب بھی اُن نہ کریں گے۔ اس کریہ و زاری نے سنگ دل راجہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ اس تجویز پر راضی ہو گیا۔ اس نے ان دونوں کو اپنے محل ہی میں قید رکھا اور پوری پوری نگہبانی کی کہ قیدی اپنے نوزائیدہ بچوں کو کسی خفیہ طریقہ سے ملحدہ نہ کر سکیں —

علی التواتر سات بچے پیدا ہوئے اور راجہ کے حوالے کر دیئے گئے۔ راجہ نے بخیال مزید حفاظت خود ان سب کو ہلاک کیا۔ آخر کار کھبخت قیدیوں نے دل میں

تھان لی کہ خواہ کچھ ہی نتیجہ کیوں نہ ہو اب  
 کی بار حتیٰ الوسع اپنے پیارے بچہ کی جان خون خوار  
 راجہ کے غضب سے ضرور بچائیں گے۔ اس مرتبہ  
 نہایت حسین صاحب جہاں فرزند "دیو کی" کے  
 بطن سے پیدا ہوا۔ "واسدیو" نے فوراً اسے کپڑے  
 میں لپیٹ کر اپنے آغوش میں چھپا لیا اور محافظین  
 کی نظر بچا کر مجلس سے باہر نکلے۔ قہری مہینہ  
 بھادوں کی آٹھویں رات تھی ہر ذی روح کے دل میں  
 جوش انبساط پیدا کرنے والا ہوسات کا موسم شباب پر  
 تھا۔ جہاں کی طغیانی نے قریب قریب درنوں کناروں  
 کو اپنے پات دار دامن میں لے لیا تھا۔ نیلگوں آسمان  
 پر کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بجلی کی  
 چمک رعد کی کڑک، آسودگان خاک کی میتھی میتھی  
 زیند میں خلل اندازی کر رہی تھی۔ مینہ سوسلا  
 دھار برستا تھا اور ہوا بڑے زفائے سے چل رہی تھی۔  
 گویا قدرت کاملہ جوش میں آ کر مستفانہ وار اٹھکھلیان  
 کو رہی تھی۔ "واسدیو" اپنے لخت جگر کو آغوش  
 میں لیکر گوڈل کو روانہ ہوئے طوفان خیز دریائے جہنا  
 کو کسی نہ کسی تدبیر سے عبور کر کے "نند جی" کے مکان پر  
 پہنچے اس "نند جی" کے یہاں بھی لڑکی پیدا ہوئی تھی  
 اس وقت گوڈل میں ہر طرف سناٹا تھا کوئی منکتا تک  
 نہ تھا۔ اس تراونی رات میں خاموشی کے  
 سوا اور کیا ہوتا سب اپنی جگہ دبکے دبکائے  
 پڑے تھے۔

گوالوں کا سردار 'نند جی' 'واسدیو' کے بڑے مخلص



دوست تھے۔ ان دونوں دوستوں نے باہم مشورہ کر کے اس لڑکے کی پیدائش سے پیشتر ہی اس کی جانبری کے لئے مفید تدابیر سوچ لی تھیں اور ہر قسم کا انتظام کر لیا تھا۔ اس کے سوا واسدیو کی دوسری بیوی روہنی مع اپنے فرزند 'بلرام' کے گوکل میں رہتی تھیں اس طور پر بھی 'نند جی' اور جادوں خاندان میں بہت اطمینان تھا۔ انہیں لوگوں کی مدد سے 'سری کرشن' کی حفاظت کے لئے بہت غور و تامل کے بعد نہایت مدبرانہ کارروائی کی گئی اور اس میں کامیابی ہوئی۔

اس وقت گوکل کے باشندے آرام سے پاؤں پھیلائے گہری اور سیتھی نیند کے مزے لے رہے تھے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ نصف شب کو کیا ماجرا کُزرا اور اس طرح وہ بچہ بے رحم راجہ کے ہاتھ سے مارا جاؤا، بچہ نکلا۔ تیسرے روز صبح کے وقت 'کنس' کو معلوم ہوا کہ اُس کی ہمیشیر نے لڑکی جنم لے۔ وہ اُس لڑکی کو فوراً باہر نکال لایا اور اُس کے قتل کا حکم دیا۔

جسودھانی واسدیو اور دیوکی کے زور بصر کو بڑی شفقت مادی سے دودھ پلایا اور نند جی نے بڑی احتیاط سے اُس کی پرورش کی۔ اس جادوں خاندان نے شاہزادہ نے گوکل میں گوالوں کے بچوں کی طرح نشو و نما پائی اور سارے گاؤں والوں کی مسرت کا باعث ہو گیا۔ گوال اور گوالدوں نے اس کے مختلف نام رکھے مگر ہم یہاں صرف دو ہی نام لکھتے ہیں۔ اُن کی ماں انہیں کنہاٹی کہہ کر پکارتی تھیں اور گوالوں کے فرقہ میں اُن کا نام سری کرشن مشہور تھا۔

## رہلہا یاں ہلک

گوالوں کے لڑوں سی تعلیم اور تربیت ظاہر ہی ہے۔  
 لکھنے پڑھنے کا ان لوگوں میں چرچا مطلق نہ تھا۔ پھر  
 اس قوم کے لڑکوں کو سائنس فلسفہ اور زبانہائی کے  
 بہنور میں پڑنے کا کہی بھولے سے بھی کیوں خیال آتا۔  
 سری کرشن نے ہوش سنبھالا تو گلہ بانی کی خدمت اُن  
 کے بھی سپرد کی گئی۔ وہ ہر روز گاؤں کے لڑکوں کے  
 ساتھ چراگاہ میں جانے لگے۔ سری کرشن کو کسی علم و  
 فن سے بہرہ ور نہ تھے تاہم بانسلی بجانے میں بدطوائی  
 رکھتے تھے۔ ان کی بانسلی کی خوش آئند صدائیں اور  
 سریاں رسیلی تانیں ایسی دل کش ہوتی تھیں کہ گوکل  
 کی گوالنیں اُنھیں سن کر مست ہو جاتیں اور عالم سرور  
 میں وجد کرتی تھیں اسی بانسلی نے سری کرشن کی  
 آخر عمر میں ناقوس کا بھیس بدلا جس کی ہولناک  
 اور مہیب آواز خون ریز معرکوں میں نامور جری اور  
 بہادر لوگوں کے دلوں میں جوش و خروش پیدا  
 کر دیتی تھی۔

جہنا کی روانی سے گوکل بہشت بریں کا نمونہ تھا ہی۔  
 جس روز سری کرشن کا ظہور ہوا وہاں ہر شخص کے دل  
 میں عشق و محبت کا دریا موجیں مارنے لگا۔ دنیاوی  
 ہمیش و نشاط کی کہیتاں اُس دریا سے لہلہاتی تھیں تو  
 اس روح پرور چشمہ کی روانی سے ہر ذی روح کے دل  
 میں روحانی خوشی کا فوہیدہ سبزہ جھلک دکھانے لگا۔  
 ہر ایک مکان باطنی اطمینان اور روحانی فرحت کا  
 کشت زار ہو گیا۔ شیر خوار سری کرشن اپنی ماں کے لالچے  
 دھقانوں کی شادمانی کا ذریعہ، بچہ سری کرشن عورتوں  
 کے پیارے کھلونے، طفل سربکرشن لڑکوں کے عزیز رفیق

اور ساتھی تھے۔ گوکل کے سب مرد و زن انہیں از حد پیار کرتے۔ مگر اس بے افتہا محبت کا سبب کسی کی سمجھ میں نہ آتا اپنے بچوں کو بھی عزیز رکھتے تھے مگر سری کرشن کی محبت اُن کی اُلفت سے بدرجہا زیادہ تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس محبت کا درجہ اُس اُلفت سے جو قدرت نے انسان کے دل میں پیدا کی ہے کہیں بڑتر تھا۔ سریکرشن سیدھے سادے نہیں بلکہ بے افتہا، شوخ شریر اور چلبلی تھے۔ وہ ہمسایوں کے مکانوں میں چپکے سے گھس جاتے کھانے پینے کی چیزوں خصوصاً دودھ اور مکھن کی خوب چکھوتیاں کرتے۔ برتن توڑتے اور اسی قسم کے ہزاروں نقصان کرتے۔ مگر وہ سب ان کے کچھ ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ ان تمام نقصانوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے۔ اس بچپن کی شرارت اور پڑوسیوں کی ایذا رسانی کا بہت جلد اُسی وقت خاتمہ ہو گیا جب سری کرشن اپنے باپ کے مویشیوں کی حفاظت اور نگہبانی کے واسطے چراگاہ جانے کے لئے مجبور کئے گئے۔ یہ بات جسودھا جی کی مرضی کے بالکل خلاف تھی۔ لیکن مجبوراً انہوں نے نہایت ناخوشی اور بیداری سے سری کرشن کی جدائی گوارا کی۔ اور بار بار منت سے کہا ”پیارے فرزند گھر سے بہت دور نہ جانا خوراک دریائے جہنا کو عبور نہ کرنا بلکہ دریا کے پاس تک نہ پہنکنا۔ مجھے اس بات کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں راہ گزس تمہیں نہ دیکھ پائے۔ تیز دھوپ میں ادھر ادھر نہ پھرنا“۔ غرض اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں کرتیں۔ جب سری کرشن اپنے ساتھیوں کے

ہمراہ گائیں لیگر چراگاہ جانے کو تیار ہوتے جسودھا جس  
وہ کھانے جو پیارے کنہائی کو زیادہ تر مرغوب تھے ان  
کے ساتھ رکھ دیتیں اور بہ تکرار تاکید کر دیتیں جب  
بھوک لگے ان کو کھا لینا۔ اور خود گھر کے دروازہ پر  
کھڑی ہو کر صحبت بھری نگاہوں سے شفیق ماں کی طرح  
الودام کے طور پر سری کرشن کو جاتے ہوئے دیر  
تک دیکھا کرتیں۔

لڑکے سری کرشن کی صحبت میں ایسے دیوانے ہو رہے  
تھے کہ ان کے پیارے کنہائی چراگاہ فجاتے تو وہ بھی  
وہاں جانے سے جی چراتے۔ بغیر شرکت و موحودگی  
سری کرشن کے کوئی کھیل نہ کھیلا جاتا اور وہ کبھی ایسے  
کاموں کا کچھہ اہتمام ہوتا۔ سو بکرشن ان لڑکوں کے دوست  
اور سردار ہی نہ تھے بلکہ ان کے نزدیک وہی  
سب کچھہ تھے۔ وہ انہیں طرح طرح کے کھیل کھلاتے۔  
نئی نئی بازیاں ایجاد کرتے۔ اپنی صحبت سے لبھاتے اور  
بانسلی کی میٹھی میٹھی تانوں سے تفریح بخشتے تھے۔  
سری کرشن نے اپنے لڑکپن کے زمانہ میں اکثر معجز نما  
اور فوق العادت باتوں کا اظہار کیا۔ بہت سے قوی ہیکل  
جانور، اور خونخوار جنگلی درندے مارے۔ ایک مرتبہ  
دریائے جھنا میں ایک اژدر دھاں کالا سانپ مارا جسے  
کالا ناک کہتے ہیں۔

رفتہ رفتہ سری کرشن دائرہ صحبت کے مرکز ہو گئے۔  
انہوں نے اپنے گرد فرحت و انبساط کی ایک نئی دنیا  
پیدا کر لی۔ تیرھویں سال شروع ہوتے ہی انہوں نے گوکل کی  
کل دوشیزہ لڑکیوں کو لبھالیا ان کی حسن و خوبی  
خوب مزاجی۔ صحبت اور جادو بھری بانسلی کے سحر فن نغموں



کی بدولت وہ انپر بے اختیار فریفتہ ہو گئیں —  
 صبح و شام وہ سب جہنا اشنان کرنے پانی بھر نے  
 جاتی تھیں رستہ میں سریکرشن سے ملاقات ہوتی تھی۔  
 باہمی گفتگو آپس کے اشارے کنائے۔ چہل اور دل لگی  
 میں بہت وقت صرف ہونے لگا۔ چند روز میں یہاں تک  
 نوبت پہنچی کہ وہ یکے بعد دیگرے سب سریکرشن کی  
 عاشق زار ہو گئیں اور سری کرشن بھی ان سے محبت کرنے  
 لگے رفتہ رفتہ وہ سب گرداب عشق میں ایسی  
 پھنسوں کہ رھائی دشوار ہو گئی۔ دن کو سری کرشن کے  
 پاس ان کے ساتھیوں کے جھگڑتے رہتے تھے اور گوپیوں کو  
 بھی خانہ داری کے کاموں سے فرصت نہوتی تھی اشنان  
 گھات یا پنگھت کے رستہ کی ملاقاتوں سے ان کے آرزو مند دل  
 تسکین نہ پاتے تھے۔ لہذا گوپیوں نے چاندنی راتوں میں  
 قرب و جوار کے باغوں چہستانوں اور سبزہ زاروں میں  
 سریکرشن سے ملنا شروع کیا۔ وہاں وہ بانسلی کو آواز  
 کے اشارے پر دور دور کر جاتیں اور گنجوں میں جہاں  
 پاک محبت اور سچی خوشی کے سوا اور کچھ بھی نہ  
 تھا اپنے روحانی محبوب کیساتھ مختلف کھیل تھا شونکا  
 لطف اٹھاتیں۔ سریکرشن جس طرح چراگاہوں میں لہو و لعب  
 سے گوالوں کو مسرور کرتے اسی طرح گوپیوں کی خوشی  
 کھیلنے باغوں اور گنجوں میں طرح طرح کے کھیل تھائے  
 اور دعوتیں کیا کرتے تھے۔ ان مختلف کھیل اور تفریحوں سے  
 یہاں ہم صرف دوہی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بارش میں  
 جھولے تالے جاتے اور موسم بہار میں لال اور عبیر کے  
 قمقموں سے ہوا کھیلی جاتی کوئل کی سب گوپیاں اور  
 گوال ان دونوں تقریبوں میں شریک ہوتے تھے —  
 سریکرشن کے کھیل تماشوں دلکش نغموں اور عالم  
 گھر محبت نے جن گوپیوں اور لڑکوں کو ان کی طرف

## رہنمایان ہند

رجوع کر دیا تھا وہ صرف گوکل یا صرف انہیں کے فرقہ کے نہ تھے بلکہ اکثر دور دور سے اُن کی بزم عشرت میں شامل ہونیکو آتے تھے۔ دور تک جہنا کے دونوں کناروں کے دیہات اور شہر ستھرا کے لڑکے لڑکیاں سری کرشن کے گرد جمع ہوتے ان سے محبت و اُلفت کرتے اور اُس روحانی خوشی کا جو وہ سبکو بیدریغ بخشتے تھے لطف اُٹھاتے تھے۔ اس پاک اور سچے عشق میں جس میں دریا کے دونوں کناروں کے گاؤں کی عورتیں مبتلا تھیں شہوت پرستی نام کو بھی نہ تھی کیوں کہ جب یہ واقعات گوکل میں گذرے سریکرشن کی عہد صرف گیارہ برس کی تھی ایک مرتبہ سریکرشن نے رقص دائرہ کا ایک بڑا جلسہ قرار دیا۔ اس کے اٹھے گوکل کے فرحت افزا باغوں اور سبزہ زاروں کے سوا بندراہن جیسی دلاویز جگہ کے رمنے ہی مناسب مقام تجویز ہوئے جو اپنی جوش فزا اور داربا قدرتی نزہت کی سبب اہل شہر کھائے تفرج گاہ تھے جنہیں جہنا کے شفات پانی کی روانی اور اس کی بخششی ہوئی شادابی اور بو قلموں اشجار کے پتروں کے مختلف رنگونکی بہار نے عجیب دلچسپ قدرتی عیش باغ بنا دیا تھا۔ وقت بہت بھی سہانا خزاں کی پور نہاسی کی شب ماہ مقرر ہوا جن کی نکھری نکھری چاندنی سے تمام دنیا جگمگا اُٹھتی ہے۔ اسی دلکش مقام اور اسی سہانے وقت میں یہ رہس کا جلسہ بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ قرب و جوار کی تمام حسینہ حسین نوجوان گورپیاں بیش بہا پوشاکیں زیب تن کئے پھولوں کے زیور پہنے۔ عطر میں بسی خوام ناز سے قدم قدم پر انا لہرق کہتی آئیں اور رقص میں

شریک ہوئیں۔ اس عظیم الشان جلسہ کی تعریف میں بڑے بڑے شعرائے نازک خیال کو چپ لگ گئی ہے اور اعلیٰ درجہ کے جادو بیان مقرر دم بخود رہے گئے ہیں تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کا قصہ ہی نہ کریں۔

عورتیں لڑکے لڑکیاں اور بچے ہی سری کرشن کی سلطنت عشق کے باج گزار نہ تھے۔ ان کے فرقے کے سارے گوال اور کل مذہبوں اور ملتوں کے شخص بھی اس قربان گاہ کے شہید تھے۔ وہ سب ہر امر میں بغیر کسی شرط کے ان کے مطیع اور فرماں بردار ہو گئے تھے۔ ان کا عشق رشتہ داری کے تعلقات۔ آداب صحبت کے قواعد اور کل دنیاوی تفکرات پر فائق تھا۔ سب پیر و جوان اور ہر خاندان کے محترم سر پرست سری کرشن کے قدمبوس ہرتے انہیں اپنا پیشوا اور سردار مانتے تھے۔ اب ہم آپ کو ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے سری کرشن کے اقتدار کی وسعت جو انہیں اپنی قوم پر حاصل تھا بخوبی واضح ہو جائیگی۔

ایک دن گوکل کے سب بزرگ ایک بڑے جگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اُس زمانے میں ابرین۔ اندر دیوتا کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے تھے۔ اندر بارش کا دیوتا مانا جاتا تھا اور بارش کی زراعت کے لئے اشد ضرورت ہوتی ہے۔ پس اور دیوتا اور دیویوں کی بہ نسبت اُس کی پرستش بہت زیادہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس موقع پر سری کرشن نے بالکل نیا مذہب تعلیم کیا اور اُس مذہب کے خلاف وعظ کیا جو اُس وقت بڑی قدر کی نگاہوں سے

## رہنمایان ہند

دیکھا جاتا تھا - اس نئے وعظ و تلقین نے اُن لوگوں کے دلی عقائد کو بالکل پلت دیا اور انہیں قدرت پرستی کی جانب رغبت دلائی -

سری کرشن نے اپنے پدر بزرگوار سے دریافت کیا کہ " یہ انتظام کس لئے ہو رہا ہے ؟ آپ سب اس میں اس قدر کیوں مشغول ہیں اور کس کی پرستش کرنی چاہتے ہیں ؟ " نند نے جواب دیا - پیارے فرزند - بہوجب رسم زمانہ ہم اندر دیوتا کے حضور میں ایک قربانی پیش کیا چاہتے ہیں - اندر بارش کا دیوتا ہے جس کے حکم سے مینہہ برستا ہے - کیونکہ بارش ہی سے زمین زرخیز ہوتی ہے اور زمین کی پیداوار ہی پر انسان کی زندگی - فلاح اور آرام کا دارومدار ہے -

اُسی رقت اُسی عالم کافولیت میں سری کرشن نے بزرگان گوکل کو ایک نئے مذہب کی تلقین کی - وہ اُن کے لڑکپن کا زمانہ تھا - انہوں نے علم و ہنر کچھ حاصل نہ کیا تھا مذہبی تعلیم نہ پائی تھی - وہ صرف ایک گوال کے لڑکے تھے تاہم اُن کے الفاظ نے ایسا اثر ڈالا کہ سب نے اُن کی بیعت قبول کی اور زمانہ کا موجودہ معزز و مقبول مذہب تکسال باہر ہو گیا - سری کرشن نے فرمایا انسان کی ہستی اُس کے اعمال کا لب لباب ہے انسان کی پیدائش - راحت و مصیبت نہکی و بدی - سب اُس کے اعمال پر منحصر ہے - انسان سے اعمال سرزد نہ ہوں تو اُس کو سزا جزاء کسی قسم کی نہیں مل سکتی - دنیا میں اگر کوئی شے اعلیٰ اور برتر سمجھی جائے تو وہ صرف اعمال ہو سکتے ہیں اندر کی پرستش ایک فلی ہیٹ ہے اُس کے اختیار میں



کچھہ بھی نہیں ہے ۔ کل عالم قدرت کاملہ سے وابستہ اور قدرت خالق اکبر کا فعل ہے ۔ پس فعل خدا ہے — ہماری زندگی افعال پر مبنی ہے ۔ ہمیں اپنی زندگی منظور ہے تو ضرور فاعل بدیں ۔ اس لئے وہ چیز جو ہمیں زندہ رکھتی ہے قابل پرستش ہے ۔ گائیں ہماری وجہ معاش ہیں یہ چراگاہ اور سامنے والی پہاڑی \* ہماری گایونکی پرورش کا ذریعہ ہیں ہم کو انہیں کے واسطے قربانیاں کرنی مناسب ہیں ۔ اندر کی پرستش فضول ہے — سری کرشن بالکل کم سن تھے مگر ان لوگوں کے لوح دل پر ان کی صحبت اور عظمت کا نقش کچھہ ایسا مرتسم ہو گیا کہ وہ روحانی بہبودگی کے لئے اپنے قدیم مذہب کو پامال کر کے سری کرشن کے پیرو ہو گئے اور ان کے ساتھ گوبر دھن پہاڑ پر جا کر قدرت کاملہ کی پرستش میں مشغول ہوئے —

یہ حیرت انگیز واقعات پوشیدہ نہ رہ سکے ۔ گھر گھر سری کرشن کا نام مشہور ہو گیا ان کے کارہائے نمایاں زبان زد ہر خاص و عام ہو گئے ۔ متھرا کے ہر گلی کوچہ میں ہی ان کی عظمت کا شہرہ نہیں ہوا بلکہ ساری قلعرو میں دھوم مچ گئی ۔ راجہ کنس نے اس کی سن گن پائی تو اُسے بہت اندیشہ ہوا ۔ کنس اس وقت سری کرشن کو ایسا مضرت رساں نہ جانتا تھا ۔ تاہم اس سے پہلے سریکرشن کے حالات کے تجسس کے لئے خفیہ طور سے مخبر ۔ جاسوس مقرر کئے گئے تھے اور چند مرتبہ ان کی ہلاکت کی کوشش بھی کی گئی تھی ۔ اب اس واقعہ نے اُسے بہت ترایا اور جس وقت اُسے معلوم ہوا کہ سریکرشن نند کے بیٹے نہیں بلکہ اُسی کے

\* گوبر دھن پہاڑی سے مراد ہے ۔ مترجم

ہمشیرزادے یعنی دیوکی کے فرزند ہیں۔ جن کے لئے اُس نے اتنے معصوم بچوں کا خون بہایا ہے تو اُس کے اور بھی رہے ہیں جو اس غائب ہو گئے۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی۔ غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا اور آنکھوں سے آگ کی چنگاریاں برسنے لگیں مگر دل ہی دل میں ضبط کر کے دم بخود رہ گیا۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ سریکرشن تھامی باشندگان متھرا کے معبود ہو گئے ہیں۔ کھلے بندوں اُن کے قتل کی کوشش کرنی گویا رعیت کے داؤں میں بغاوت کا بیج بونا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوف تھا کہ فوجی سپاہی کرشن کا مقابلہ نہ کرینگے بلکہ ٹوت کر انہیں سے جا ملیں گے۔ اس لئے اس نے سریکرشن کو دغا سے قتل کرنے کا قصہ کیا اور جی میں تھان لی کہ جس تدبیر سے ممکن ہوگا دشمن کے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھونگا۔

ایک شخص اُکرور متھرا میں رہتا تھا۔ سریکرشن سے اُس کا بہت اتحاد تھا راجہ کنس نے اُسے اپنے دربار میں طلب کر کے بڑی تعظیم و تکریم سے استقبال کیا اور بہت سے تعارف دیکر کہا ”اے نیک مرد ہم نے سنا ہے کرشن ہمارے ہمشیرزادے ہیں ہماری غیرت نہیں چاہتی کہ وہ ایک گھوسی کے لڑکے بن کر وہیں۔ اُنہیں متھرا میں آکر شہزادوں کی طرح رہنا چاہئے ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ سریکرشن کو تم سے بہت محبت ہے پس تم ہی اُن کو سمجھا بجھا کر بہ اعزاز تمام ایوان شاہی میں لے آؤ۔ وہ یہاں آکر اپنے خاندانی شاہانہ طرز معاشرت سے زندگی بسر کریں۔“

یہ شاہی پیام لیکر اکرور کو کل میں پہنچا تو وہاں

شادی و غم دونوں کے متضاد اثر نے لوگوں کے دلوں کی کچھ عجیب حالت کردی جو خود ان سے بیان نہ ہوسکتی تھی اور نہ ان کے دل اس کے متحمل ہوسکتے تھے۔ سب کو سربکیشن کی قدر افزائی سے جس قدر خوشی ہوئی تھی اتنا ہی رنج اور صدمہ ان کی مفارقت نے انہیں دیا تھا۔ سب اس ناقابل برداشت حالت سے بہت بیچپن تھے۔ سربکیشن نے رخصت کے وقت سب کی تسلی تشریح کی۔ وعدہ کیا ہم بہت جلد واپس آئینگے اور ”اکرور“ کیساتھ متھرا کو سوار ہو گئے۔

راجہ کنس نے نہایت شفقت اور مہربانی سے سربکیشن کی آؤ بھگت کی بڑی شان و شوکت سے ان کے خیر مقدم کا جلسہ منعقد کیا ان کی آمد کی خوشی میں طرح طرح کی تفریحوں کا انصرام ہوا ان کو ہیل تھا شوں میں ایک مشیت زنی کی لڑائی بھی تھی۔ اس میں سربکیشن سے بھی شرکت کی درخواست کی گئی۔ کنس نے خفیہ طور پر سربکیشن کی ہلاکت کے لئے مشیت زنیوں سے اشارہ کر دیا تھا۔ سربکیشن فوراً قار گئے کہ ضرور کچھہ دال میں کالا ہے۔ ادھر حاضرین جلسہ بھی راجہ کے فاسد ارادہ سے واقف ہو گئے اور یوں یہ راز سربستہ سب پر کھل گیا۔

سربکیشن نے خونخوار مشیت زن کو بڑی آسانی سے ہلاک کیا۔ اس کے بعد کنس پر حملہ کیا اور ان کی آن میں اُسے بھی جہنم واصل کر دیا اُس وقت بڑی ہل چل پڑ گئی۔ ہر طرف سے تحسین و آفریں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ آخر کار اہل متھرا نے متفق الرائے ہو کر سربکیشن کو تخت پر بٹھا دیا۔

## رہنما یان ہند

سریکرشن کو تخت و تاج کی ہوس ہی نہ تھی۔ انہوں نے پھر کہن سال راجہ اُگر سین کو جو کنس کے بندی خانہ میں قید تھا طلب کیا اور کہا کہ مجھے سلطنت کی حاجت نہیں۔ نہ سلطنت کو میری ضرورت ہے۔ مجھے تو گوکل کے رسنوں میں رہنے کے سوا کوئی بات بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے تمہارے فوزند کو تخت و تاج کی طمع سے قتل نہیں کیا ہے اُس کی بدکرداری حد کو پہنچ گئی تھی۔ وہ ظلم و تعدی سے اپنی رعایا کے حق میں بلائے بیدرماں ہو گیا تھا۔ میں نے فقط رعیت کی حفظ و امن کی غرض سے اُس کی جان لی ہے تمہارا تخت و تاج تمہیں مبارک ہو تم جادوں خاندان کے معزز سرپرست ہو۔ میری یہی تمنا ہے کہ تم ہی تخت نشین ہو کر رعایا پر حکمرانی کرو۔

اس کے بعد سریکرشن کنس کی گریہ کناں بیوہ رانیوں اور دیگر اقربا کی طرف مخاطب ہوئے اُن کو ہر طرح تسلی و تشفی دی۔ اُن کے پاؤں پر سر رکھ کر معافی مانگی۔ پھر شاہی جاوس سے کنس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اور حتی الوسع اس صدمہ عظیم پر صبر دلا نے گو سب کی دلجوئی کی۔

کنس کی نعش شعلوں کے سپرد کر دی گئی اور راجہ اُگر سین تخت پر بیٹھا۔ سریکرشن نے ان دونوں تقیہوں کے بعد تحصیل علم کے لئے ”سندی پن رشی“ کے پاس جانے کی تیاری کر دی۔ انہیں اہل دنیا کی تلقین کے لئے حصول علم و کمال کی بہت ضرورت تھی اور اس کا موقع اب ملا تھا۔

اب سری کرشن کی طبیعت نے ایسا پلٹا کھایا کہ

بچپن کی شوخیاں اور شرارتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ اس طرفہ تغیر نے انہیں ایک متین مدبر۔ امور سلطنت کا اچھا ماہر قوی اور لائق حکمراں بنا دیا۔ وہ اپنے عزیز ہم جولیوں۔ پیاری گورپیوں اور مطیع پرستش کرنے والوں کو بالکل بھول گئے۔ انہیں اپنی ماں جسودھا اور باپ ہند کا بھی خیال نہ رہا۔ جب یہ سب ساری کرشن کے لینے کو ان کے ایوان شاہی میں گئے اس وقت جو تقریر انہوں نے کی وہ اس شعر کے مفہوم کا مصداق تھی جو پرنس ہنری \* نے اپنے خوش طبع دوستوں کے رو برو پڑھا تھا —

• پرنس ہنری شاہ پروشیا انگلستان کے شاہ عالم پناہ ایدورڈ ہفتم کی بڑی ہمشیرہ ہرامپریل مہجسٹی فریڈرک و کٹوریہ کے بطن سے جو تھیرہ ہند مرحومہ کی بڑی بیٹی تھیں۔ اگست سنہ ۱۸۶۲ ع میں پیدا ہو کر شہنشاہ جرمنی فریڈرک والی جرمن کے قابل افتخار فرزند ہوئے جو تھیرہ ولیم ثانی شہنشاہ جرمن کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کو شادی پرنس آئی دین آف ہنری سے جو چچھری بہن ہوتی ہیں ۶۳۔ مئی سنہ ۸۸۸ ع کو ہوئی۔ آپ نے مثل اپنے بڑے بھائی تھیرولہم کے تعلیم حاصل کی مگر جرمن کے دستور کے موافق شہنشاہ خود مختار ہونا ہے۔ آپ کے بڑے بھائی کو وہ شہرت نہ ہوئی۔ تو فوجی عہدہ سب سے اعلیٰ پایا ہے مگر آزادانہ کمان اس وقت میں ملی جب سنہ ۱۸۷۹ ع میں چین کو جنگی بیڑہ ان کی سرکردگی میں روانہ کیا جس طرح کوتس نے پورٹ آرٹھر وغیرہ چینی مقامات پر قبضہ کر لیا تھا ہنری آف پروشیا نے بھی چھلی علاقہ پر قبضہ (ہتیمہ حاشیہ ہر صفحہ ۵۲)۔



اگلا سا وہ سزاج وہ عادت نہیں رہی  
 وہ ہم نہیں رہے وہ طبیعت نہیں رہی  
 حسن و عشق کے جھگڑے طے ہو گئے چہل پہل کا  
 زمانہ گزر گیا۔ مذاق و دل لگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور  
 اس کا سبب یہی تھا کہ سری کرشن کو اب پولٹیکل  
 دنیا میں بہت کچھہ کرنا تھا۔ اندرونی قضیوں اور آپس  
 کے جھگڑوں سے ہندوستان کی حالت بہت فزک ہو رہی  
 تھی۔ ظالم راجوں نے بہت زور پکڑا تھا۔ رحم دل حاکم  
 کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے۔ بد کرداروں کی ظلم و  
 تعدی سے رعایا اپنی جان ایگر جنگلوں میں جا چھپی  
 تھی سری کرشن یکا یک سلطنت متھرا کے رکن ہو گئے  
 تو انہیں مظلوموں کی حمایت اور ملک کی امن و آسائش  
 کے لئے بہت کچھہ کرنا پڑا۔ گو فی الواقع وہ ایک ہی  
 صوبہ کے حکمران ہوئے۔ مگر کل ہندوستان کی عنان  
 حکومت اپنے ہاتھ میں لے سکتے تھے انہیں تمام لڑنے والی  
 جماعتوں کے فرقوں کو اپنے علم نصرت و فیروزوں کے  
 قلعے جمع کرنے اور ظالموں کی گوشمالی اور مظلوموں کی  
 اعانت کرنے کی قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے سوچا کہ

(بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۵۱)

کر کے سو برس بعد چھوڑ دیئے کا معاہدہ تحریر کر دیا۔ مہم  
 چین پر جانے سے پیشتر مقام برلن میں جو تقریر آپ نے کی  
 نہی اس میں جہاں اپنے بڑے بھائی کی بہت کچھہ تعریف  
 کی وہاں اپنی فرمانبر داری اور اطاعت کا بھی ایسا بیان کیا  
 کہ جس سے اخبارات کو عرصہ تک رائے زنی کا موقع ہاتھ  
 آیا۔ مذکورہ بالا تلمیح بھی شاید اسی تقریر کا کوئی جزو ہوگی۔

مترجم

معیت اور خوش حالی کی سلطنت کو پھیلانے اور وسعت دینے کے لئے بیشک ابھی بہت اہم کام باقی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال کیا کہ ہندی کا وسیع براعظم کچھ گورکل ہی تک محدود نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے اپنے وطن میں کیا ہے اُسکا اعلان آریہ ایسی وسیع مہلکت میں کر دینے واسطے بہت بڑی حکمت عالی اور عالی درجہ کی قابلیت کی ضرورت ہے۔ اس مہم عظیم کی انجام دہی کیلئے سری کرشن میں عالی دعاؤں کی وسعت خیال اور بلند حوصلگی کی حاجت تھی مگر یہ سب باتیں انہیں پہلے ہی سے بوجہ اکہل حاصل تھیں —

یکا یک ان کی طبیعت میں ایسا تغیر واقع ہوا کہ سب کو کمال حیرت ہوئی انکے ہمجوائی اڑکے جب انکے شاہی دربار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بڑی سنجیدگی کیساتھ کہا ” گورکل کی ہود و باش کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب تم ہم کو اپنا لنگوتیا یار اور پیشوا نہ سمجھو۔ جس طرح ہم مختلف تفریحوں سے گوپیونکا جی بہلاتے تھے اس طرح تم بھی انکو خوش رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ اب یہی مناسب ہے کہ تم گورکل کو واپس چلے جاؤ اور ہمکو آج سے اپنا بادشاہ اور حکمراں جانو جس وقت گوپیاں شکستہ دل آفسو بہاتی انکے دروازے پر آئیں تو انہوں نے ہکمال متانت اُن سے واپس جانیکو کہا اور درخواست کی کہ اب تم ہماری یاد دل سے فراموش کر دو اور حالت جدائی میں بغیر ہماری ملاقات کے خوش و خرم رہا کرو۔ اور جب ان کی ماں جسودھا اور باپ نند مع دیگر اعزاء اقربا انکے دیدار کو انکے پاس آئے۔ انہوں نے نہایت ادب سے التجا کی ” اب سے

آپ مجھے اپنا فرزند تصور نہ کریں بلکہ اعلیٰ خاندان جادوں کا شاہزادہ اور اپنا موجودہ فرما فرما مانیں۔ —

ادھر گوگل میں جوش گریہ نے ندیاں بہائیں۔ فالہائے جگر خراہ کی صدائیں آسمان کی خبر لائیں۔

ادھر متھرا میں خوشی کے شادیانے بے سب فرحت و انبساط کے پتلے بنگٹے۔ ان لوگوں کی محبت و الفت جو انہیں سری کرشن کیساتھ تھی اس بے انتہا خوشی اور رنج کا باعث ہوئی یعنی باشندگان گوگل صدمہ فراق کی تاب نہ لاسکے اور اس دائمی جدائی نے انکی زندگی و بال کردی۔ اہل متھرا فرطانبساط سے جاسے میں پھولے نہیں سہائے کہ آخر کار انکے پیارے کرشن انہیں کے سردار اور حکمراں ہوئے۔ پیرحم سنگدل ظالم راجہ کنس کا خاتمہ ہوا اور اپنی بد اعمالیوں کی سزا پائی

فخر ہند سری کرشن کا ستارہ اقبال چمکا اور عدنان حکومت ہاتھ میں آئی۔ اہل متھرا کیلئے اس جہان فانی میں اس سے بڑا کر اور کونسی خوش نصیبی ہو سکتی تھی۔ —

ہندی پن رشی کے مکان پر سری کرشن اور انکے بھائی بلوام نے علوم فلسفہ الہیات۔ سیاست مہن اور اصول حکمت کی تعلیم پائی۔ فنون سپہ گری بھی حاصل کئے علاوہ دماغی طاقت کے سری کرشن جسمانی قوت میں بھی عظیم المثال تھے انہوں نے اور علوم کی طرح فن تیراندازی بلکہ جملہ جنگی فنون میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کی اپنی فطری قابلیت کے سبب سری کرشن چند ہی سال میں علوم رائج الوقت میں یگانہ آفاق اور فنون سپہ گری میں طاق ہو کر شہر متھرا کو

واپس آئے —

ان کی فہمت میں زبردست راجہ جراسندہ نے متھرا پر چڑھائی کی۔ اس کی دو بہنیں کلس کے ساتھ منسوب تھیں۔ یہ اپنے خاوند کے مارے جانے کے بعد رفتہ پا کاندے کو بھائی کے گھر چلی گئیں اور جادوں خاندان خصوصاً سریکوشن کی سخت شاکی ہوئیں یہ بات سنکر جراسندہ کو طیش آگیا اور اس نے بیسہار سپاہ سے متھرا پر دھاوا کیا مگر سری کوشن بہت جلد پہنچ گئے اور غنیم کو جادوں سلطنت سے مار کر نکال دیا اسی لڑائی پر بس نہیں ہوئی جراسندہ نے متھرا پر متواتر سترہ حملے کئے مگر ہر مرتبہ شکست پر شکست کھائی اور ہزیمت پر ہزیمت اٹھائی۔ اٹھارہویں دفعہ وہ طاقتور شودر کالبھن سے مل گیا جس سے اس کی کمک کے لئے تمام شمال کی پہاڑی شودر قومیں جمع کر لیں۔ اس وقت سری کوشن کے پاس اس کوہستانی جم غفیر کے مقابلہ کے لئے کافی فوج نہ تھی۔ ان کو خیال ہوا کہ شجاعت کے لئے پیش بینی ضرور ہے۔ پس جیسے ہی یہ خبر پہنچی کہ کالبھن اپنی خانہ بدوش سپاہ لے کر متھرا کی جانب روانہ ہوا انہوں نے سہندر کے ساحل پر ایک نئے شہر کی تعمیر شروع کر دی اور اس کا نام دوار کا رکھا۔ یہ ایسی جگہ تھی جس پر قبضہ کرنا بہت دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن تھا۔ اور معاصرہ کے وقت تھوڑی سی فوج سے اس کی حفاظت بخوبی ہوسکتی تھی۔ متھرا کے مرد و عورت اور بچوں کو سریکوشن نے اس شہر میں بھیج دیا اور میدان جنگ میں کالبھن کو ایک گھات سے قتل کر کے شجاعت کی

## رہنما یان ہند

ایسی داد دی کہ مخالف کی سپاہ کے دانت کھتے ہو گئے۔ مگر اسی وقت اس فتحیاب فوج پر جراسندہ بلائے ناکہانی کی طرح ٹوٹ پڑا اور بہادروں کے پاؤں میدان سے اکھاڑ ڈالیے وہ جان لے کر بھاگے۔ ہزیمت نصیب سپاہ کا سایہ کی طرح پیچھا کیا گیا۔ مگر سریکرشن کسی تدبیر سے بغیر و عافیت دوار کا میں پہنچ گئے۔

چند ہی سال میں سریکرشن کو سب حکمرانوں پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس قدر برتری اور فضیلت ان کو کس طرح حاصل ہوئی۔ مگر صرت یہی کہنا کافی ہے کہ وہ اس وقت ایک ایسے شخص تھے جن کی دوستی اور مہربانی کی ہر شخص کو تمنا تھی جن کی چشم عنایت کے لوگ امید وار رہتے اور نظر قہر سے ترستے تھے بڑے بڑے ذی اختیار اور طاقتور فرمان روا ان کا اعزاز و اکرام کرنے میں سب سے پہلے سرخرو ہونے کی سعی کرتے تھے۔ اس وقت کی اور چھوٹی بڑی ہندی طاقتوں کا کیا ذکر ہے۔ کورو اور پاندو جو فی الحقیقت ہند کے شہنشاہ تھے پورے طور پر سریکرشن کے مطیع و فرمان بردار تھے۔ ان کی رہنمائی کے محتاج تھے اور ان کی دوستی اور مہربانی کو اپنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس خاندان کے سرپرست زمانے کے مشہور بہادر اور مدبر ملک پیشہم نے سری کرشن کو خدا کا اوتار تسلیم کر کے ان کی بندگی اور پرستش شروع کر دی تھی غرض سفید پوش کوہ ہمالیہ سے متھرا اور دوار کا سے کھچھیا تک وہ سب حکمرانوں کے حکمراں ہو گئے اور ہندوستان کی سیاست اور مذہب دونوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں آ گئیں۔ لوگ ان کی



اعلیٰ فہم و فراست کے قائل تھے اور ظاہراً و باطناً  
عشق صادق کے ساتھ سب ان کی پرستش کرتے تھے —

سری کرشن نے چند شادیاں کیں۔ پہلی شادی رکھلی  
کے ساتھ ہوئی بعدہ ست بہاسا وغیرہ سے عقد ہوا۔ یہ  
سب شاہزادیاں اعلیٰ خاندانوں سے تھیں اسی کے ساتھ  
انہوں نے اپنی فوج میں اضافہ کیا۔ گوکل کے قوی اور  
بہادر شیر فرروں سے انتخاب کر کے ایک اتفاقیہ سپاہ  
بھرتی کی اور اپنی رعایا کو بہمہ وجوہ خوش حال بنایا۔  
بغیر ان تدابیر کے کوئی فرمانروا ہردلعزیز اور دشمنوں  
سے محفوظ نہیں ہو سکتا —

اندرونی مخالفتوں اور آے دن کے جھگڑوں کو سریکرشن  
نے طے کر دیا جن سے ملک میں تباہی اور بربادی پھیلی  
ہوئی تھی۔ ظالم حکمران سزایاب ہوئے یا عدل و رحم  
کرنے پر مجبور کئے گئے یوں جس جگہ خونریزی اور  
تباہی نے مصیبت ڈھا رکھی تھی وہاں امن و آسائش  
کے جھلکے گر گئے۔ یہ سب اصلاحیں سریکرشن نے خود  
اپنی جسمانی قوت سپہگری فنون سے یا اپنے پیدلوں اور  
سواروں کی مدد سے نہیں کیں انہوں نے اپنی رسا فہم  
اور اعلیٰ حکمت عملی ہی سے کام لیا اور اکثر اوقات  
بغیر کسی نبرد آزمائی کے سیدھی سادی تدبیر مدن  
سے ان کا مقصد حاصل ہو گیا —

ہند کی رعایا نہایت خراب اور بد اطوار ہو گئی تھی۔  
ان لوگوں کو اپنے افعال قبیمہ کی اصلاح دی پروا نہ رہی  
تھی اور یہی ان کی بربادی کا بہت بڑا باعث تھا۔  
افسوس نیک اور ایماندار آدمی کچھ جنگلوں میں پڑے  
پھرتے اور کچھ آبادیوں میں مصیبتیں جھیلنے لگے۔ سریکرشن

## رہنمایان ہند

نے بیڑا اٹھایا کہ بدوں کو دنیا سے نکال کر اہل ہند کو آئندہ مصائب اور جور و تعدی سے بچائیں۔

ایک مرتبہ سریکرشن نے اپنی پیاری بیوی رکمنی سے کہا ”تم نے بڑے بڑے الوالعزم مقتدر شاہان روے زمین کی درخواستیں نامنظور کی تھیں مگر میرے ساتھ کیا سہجہ کر شادی کی۔ میں کسی سلطنت کا بادشاہ نہیں۔ دشمنوں کے خوف سے سہندز کے کنارے ایک شہر میں پڑا ہوں۔ میرا چال چلن سب سے نرالا۔ برقاہ دوام الناس کے خلاف۔ کوئی شخص میرے مافی الضمیر سے آگاہ نہیں۔ سہجہ جیسے آدمی کی بیویوں کو ہمیشہ مصیبت کا سامنا رہتا ہے۔ میں غریبوں اور فلک زدوں سے صحبت رکھتا ہوں اسی سے امرا کو سہجہ سے ملنے میں عار ہے۔ سہجے نے اپنے جسم کا خیال ہے نہ وطن کی پروا نہ بیوی بچوں کی صحبت۔ نہ دولت کی تمنا اور نہ عشرت کی خواہش ہے۔ میری طبیعت کے آدمی اپنے ہی بھروسہ پر قانع رہتے ہیں۔ یقیناً تم نے سہجہ سے شادی کر کے بڑی غلطی کی“

اس مختصر تقریر سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سرداران زمانہ پر سوری کرشن کی فوقیت حاصل کرنے کا کیا سبب تھا۔

تواریخ یا قصص خیالی میں ایسے ہرگزیدہ شخص کا تذکرہ کہیں نہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ سوری کرشن سچے عاشق۔ پکے دنیا دار۔ نامی ناظم ملک۔ قابل مدیر سلطنت اکمل فاسفی۔ اور افضل رہنما ہے۔ یہ ہندوستان میں ادنیٰ شیر فروش کے اڑکے سے اعلیٰ درجہ کے شخص ہو گئے۔ سارے حکمرانوں کے حکمراں تمام رہنماؤں کے رہنما اور

سب فلسفیوں کے اُستاد بن گئے۔ مگر انہیں اس فضیلت و عظمت سے ذاتی وقار یا نہائش مقصود نہ تھی نہ یہ اوصاف ایسے و سائل سے حاصل ہوئے تھے۔ ایسا ہوتا تو بیشک نیک اور عقیل آدمیوں کی نظروں میں اُن کی اس قدر عظمت اور وقعت نہ ہوتی۔ —

ان میں خودی اور خود نہائی بالکل نہ تھی نہ اُن کے کاموں میں خود فرضی پائی جاتی تھی۔ اُن کا اصل منشا یہی تھا کہ محبت۔ امن و خوشحالی اور مسرت کی نئی دنیا پیدا کیجائے اُس کی تکمیل کے واسطے انہیں طرح طرح کے کام کرنے اور نئے نئے روپ بھرنے پڑے اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔ —

جس وقت سریکرشن نے کوس امہن الملک بجایا ہندوستان مختلف سلطنتوں میں منقسم تھا۔ ان میں کورو۔ پاندو۔ اور مگدہ کی بادشاہتیں بہت طاقتور خیال کیجاتی تھیں۔ نابینا دھر تراشتر کورو سلطنت کا بادشاہ تھا۔ اس کا چچا بھیشم پتا یا جس نے تمام عمر عالم تجریوں میں زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیا تھا اس خاندان کا سر پرست تھا۔ اس طرح ملک + پانچال کا راجہ داروید تھا۔ اور مگدہ کی سلطنت جراسندہ کے تحت میں تھی۔ —

شاہ دھر تراشتر کے پانچ بھتیجے اور بہت سے بیٹے تھے۔ اس کے بیٹے بڑے شہیر و سرکش تھے۔ انہوں نے اپنے چچا کے بھائیوں کے قتل کی سازش کی۔ یہ پانچوں بیٹے بہ تبدیلی لباس فرار ہوئے اور اس غرض سے ملکوں ملکوں پھرنے لگے کہ اگر کوئی زبردست بادشاہ اپنا معاون و مددگار

• اگلے زمانے میں ملک بہار کو کہتے تھے۔ معرجم

+ زمانہ گذشتہ میں ملحدانہ ضلع فرخ آباد کو کہتے تھے۔ معرجم

## رہاویان ہند

ہو جائے تو دھرترا شتر کے بد کردار لڑکوں سے اپنی املاک  
وا گذاشت کرا لیں۔ مفرور نہایت نیک خوا اور قانون سپہ گری  
میں شہرہ آفاق تھے۔

وہ سفر کرتے کرتے پانچال کی دارالسلطنت میں پہنچے۔  
وہاں سنا کہ راجہ اپنی لڑکی کی ہادی کرنا چاہتا ہے۔  
شرط یہ قرار پائی ہے کہ جو کوئی بہادر شہر یا رطلائی  
مچھلی کی آنکھ میں جو جر ثقیل کے قاعدہ سے ایک ستون  
پر نصب کیگئی ہے تیر لگائے گا اسی سے شہزادی کا عقد  
کر دیا جائیگا۔ اس سویہبر میں تمام بادشاہ اور رؤسائے  
عظام مدعو کئے گئے۔ حسب رواج زمانہ سب فن تیر اندازی  
کے کرتب دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔ یہ پانچوں بہائی بھی  
برہمنوں کے بھیس میں اس عام مجمع میں پہنچے۔  
مچھلی کی آنکھ کا نشانہ اُڑانے میں سب نا کام رہے لیکن  
ارجن نے اُتھکر کامیابی حاصل کی۔ اس وقت سویہبر میں  
ایک تہلکہ پڑ گیا۔ کل نا کامیاب اور مایوس بہادر۔  
فتحمند ارجن پر حماء کرنے کو جھپٹے۔ مگر وہاں سری کرشن  
بھی موجود تھے۔ سب ان کی بیحد قدر و منزلت کرتے  
تھے۔ اُنہوں نے کہا دیا کہ برہمن نے واجہی طور سے  
شہزادی کو جیت لیا تو سب نے ہتھیار رکھ دیے  
اور گھر کی راہ لی۔ یہ خفیف واقعہ صاف ظاہر کرتا  
ہے کہ سری کرشن کو تمام ہندی فرمانرواؤں پر کامل  
فوقیت حاصل تھی۔

با این ہمہ سری کرشن نیکوں کی طرفداری اور  
کمزوروں کا جنبہ کرتے تھے۔ اس مجمع میں صرف یہی  
ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے پانچو شہزادوں کو تبدیل  
لباس میں پہچان لیا تھا گو اُن کے مرنے کی جھوٹی

خبریں ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھیں۔ سریکرشن ان بنے ہوئے برہمنوں کے ساتھ اُن کے قیام گاہ پر گئے۔ انہیں ان کی خوش نصیبی پر مبارک باد دی اور اسی روز سے اُن کے دوست بلکہ مشیر اور پیشوا ہو گئے یہ سیکرشن ہی کا کام تھا کہ انہوں نے شاہ دارو پد سے ان شہزادوں کی ملاقات کرائی اور شاہ مذکور کو مشورہ دیا کہ وہ دھر تراشتر کے پاس ایک ایلچی بھیج کر اُس سے پاندو کے حقوق عطا کرنے کی درخواست کرے۔ اس ایلچی کی واپسی تک سری کرشن انہیں کے پاس تھیرے رہے۔ قاصد نے آکر جلا وطنوں کو شاہ کورو کی طرف سے اُن کی طلبی اور اندر پرست میں آباد ہونے کی اجازت دینے کا مژدہ سدا یا تو سری کرشن اُن کے ہمراہ گئے اور بڑے جنگلوں کے صاف کرنے اور نئی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں اُن کی امداد کی۔ جب پاندو بہرام تھام اس نئی سلطنت پر مسلط ہو گئے۔ سری کرشن دوارکا کو واپس آئے۔

اپنی والدہ کی خواہش کے مطابق پانچوں پاندو بھائیوں نے پانچال کی شہزادی سے شادی کر لی۔ آئندہ باہمی نفاق سے بچنے کا یہ انتظام کیا کہ جس وقت ایک بھائی شہزادی کے پاس ہو دوسرا اُس کے خلوت خانے میں نہ جائے اور جو اُس قاعدہ ہی پابندی نہ کرے وہ چند سال جلا وطن رہے۔

ایک دن ایک غریب برہمن ارجن کے پاس آکر نہایت درد انگیز لہجہ میں التجا کرنے لگا "اے حاسی درماندگان! میرا سال و اسباب رہزنیوں سے واپس دلاریجئے۔" اس وقت سوئے اتفاق سے ارجن کے آلات حرب اس گھرے میں



رکھے تھے جہاں جدہشتر - اور دروہدی باہم اختلاط میں مشغول تھے - مگر اس مصیبت زدہ برہمن کے حفظ مال کے لئے ارجن اس خوفناک جرم کا مرتکب ہوا جس کی سزا جلا وطنی تھی وہ اس کھرے میں گیا اور اپنے ہتھیار لے کر غریب برہمن کی مدد کو فوراً روانہ ہو گیا۔

قزاقوں کی سرزنش کے بعد ارجن نے اپنے بھائیوں کے پاس آکر اپنی جلا وطنی کی درخواست کی۔ انہوں نے نہایت ملول اور دلگیر ہو کر اُسے خدا حافظ کہا۔ اور وہ اندر پرست کو الوداع کہہ کر جاترا کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

ارجن نے قریب قریب ہند کے کل ملکوں میں سفر کیا۔ آخر پرواسش دیس میں پہنچا یہاں اُس کے پیارے دوست متھرا اور دوارکا کے شاہزادہ سری کرشن اس سے ملنے آئے اور اسے اپنے دہرالسلطنت میں لے گئے۔ دوارکا پہنچ کر سری کرشن نے اپنی بہن سبھدرا سے اُس کا عقد کر دیا اور یہاں عرصہ تک وہ اپنے دوست اور بیوی کے پاس آرام سے رہا۔

اثناء سفر میں ارجن کو کیا کیا واقعات پیش آئے اور اس نے بدکرداروں کی سزا دہی اور نکو کاروں کی دھابت میں کیسی کیسی جنگی قابلیتیں دکھائیں یہ بیان کرنا فضول ہی ہے۔ بالجمہ و ہ میعاد جلا وطنی کے بعد اندر پرست واپس آیا۔ اپنے بھائیوں سے ملا سب مل کر نہایت خوش و خورم رہنے لگے اور حتی الامکان ہر آسان طریقہ سے کوروں کو خوش کرنے میں مصروف ہوئے۔

کوروں کے سب سے بڑے شہزادے درجودھن نے بھالمتی کے ساتھ شادی کر لی۔ اُس سے چند بچے پیدا ہوئے

جن میں سے ایک لڑکی لچھمنا سری کرشن کے بیٹے پر عاشق ہوگئی بڑی دھوم دھام سے ان دونوں کا بیاہ ہوا۔ اس تقریب سعید میں چندر بنسی خاندان کی دونوں شاخوں کے فریق نہایت گرم جوشی کے ساتھ شریک ہوئے۔ —

بہو جب رسم زمانہ بہیم - ارجن - نکل اور سہادیو قرب و جوار کی سلطنتیں فتح کرنے نکلے۔ بہت سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ بہت سی ریاستوں سے خراج لیا۔ غرض بے افتہا زر و جواہر اور مال و متاع لے کر گھر کو پھرے تو راجہ جدہشتر نے ان فتوحات کی شہرت دینے کے لئے راج \* سوچ کر کے ارادہ کیا۔ پاندو شہزادے بغیر مشورت سری کرشن کے کوئی اہم کام نہ کرتے تھے۔ لہذا راجہ جدہشتر نے ایک قاصد دوار کا کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ فخر خاندان جادوں کو اندر پرست میں آنے کی تکلیف دے۔ جب تک قاصد پہنچے پہنچے سری کرشن کی خدمت میں چند مقید شہزادوں کی طرف سے ایک درخواست اس مضمون کی پہنچی ہم بد نصیبوں کو مگدھہ کے بد کردار ظالم راجہ جراسندہ نے قید کر رکھا ہے۔ ہمارے ریاستیں اپنی ممالک معروسہ میں شامل کر لی ہیں۔ ہمیں اس قید سخت سے رہائی دیجیے اور اس کتے کی موت سے جو فضبنال راجہ نے ہمارے لئے تجویز کی ہے بچائیے۔ —

\* شہنشاہوں کا اظہار وفاداری کے لئے ہوا جلسہ جس میں ماتحت راجے فرماں پندیری اور اطاعت کے لئے جمع ہوتے تھے۔ معرجم

## رہنمایان ہند

اندر پرست \* پہنچکر سری کرشن نے راجہ جدہشتر کو راج سوچگ کرنے کا مشورہ یوں دیا - ” اے شاہ - آپ جنگی طاقت اور جہاندارانہ خوبیوں کی بدولت سب شاہوں کے مقابلہ میں شہنشاہ عالی مرتبت ہیں مگر جلد ستم رسیدہ تاجور جراسندہ کے قید خانے میں پڑے سڑ رہے ہیں - اپنی رہائی سے مایوس ہوکر دائم الحبس قیدیوں کی طرح فاشاد فامراک زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں - جب تک جراسندہ زندہ ہے وہ اپنے ہتکھنتوں سے باز نہ آئے گا اور سرشوری کے ساتھ آپ کے جگ میں فتنے اور ہنگامے برپا کر کے خال انداز ہوگا - اس لئے میری رائے میں پہلے اس سے نبت لیا جاوے پھر جگ کی رسم ادا ہو - ” اپنے دوست کی فرماں پذیری کے دل دادہ پانڈو بھائیوں نے راجہ مگدہ کی لڑائی کے لئے اپنی جرار فوج لے کر فوراً روانہ ہونے پر رضامندی ظاہر کی تو سری کرشن نے فرمایا - ” خونریزی فادق کی کیا ضرورت ہے - بیچارے بے گناہ سپاہیوں نے کیا کیا ہے جو ان کی جان لی جائے - ہاں جراسندہ کو اُس بد کرداری کی سزا دینی ضرور ہے - صرف ارجن اور بہیم میرے ساتھ چلیں اور ہم تیلوں جاکر اُس سے دست بردست اور کلہ بکلہ لڑنے کی درخواست کریں - مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے جس کو وہ اپنا مد مقابل تجویز کریگا وہی اُس کی شوریہ پشتی اور بد اعمالی کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہوگا - ” اس نصیحت پر ہل کیا گیا - اور تیلوں شاہزادے دارالسلطنت مگدہ کی جانب روانہ ہوئے -

• شہر دہلی - مترجم -

وہ وہاں برہمنوں کے بھیس میں پہنچے - بڑے اعزاز و اکرام سے اُن کا استقبال کیا گیا - سری کرشن نے راجہ سے اس طرح خطاب کیا - " ہمیں برہمن نہ سمجھو - ہم چھتری ہیں - یہ بھیم ہے - یہ ارجن ہے - اور میں کرشن ہوں - ہم تم سے دست بدست مبارزت کرنے آئے ہیں - ہم میں سے کسی ایک کو منتخب کرلو " - راجہ نے جواب دیا - " تمہارا یہی ارادہ ہے تو میں بھی چھتری ہوں - مجھے تمہاری درخواست منظور کرنے میں کسی طرح کا ہراس نہیں ہے - میں تمہاری فیرو آزمائی کی خواہش پوری کرونگا - مگر اس وقت تم میرے مہمان ہو میری سہانگاری قبول کرو - تھوڑی دیر راہ کی مازدگی دور کرنے کے لئے اوام کرلو " - سری کرشن نے کہا - " اے شاہ جب تک ہمارا تمہارا فیصلہ نہ ہو جائے گا ہم تمہاری دعوت قبول نہ کریں گے " - راجہ نے جواب دیا - " تو خیر اپنی موت کے لئے طیار ہو جاؤ - سری کرشن جنگ آویروں میں تمہارا شمار ہی نہیں - تمہارے قول و فعل کا اعتبار ہی نہیں - تمہارے ساتھ لڑوں تو دنیا کے لوگ تو تو کریں گے - ارجن ابھی اوندا ہے اُس کا میرا جوڑ ٹھیک نہیں - ہاں بھیم میں کسی قدر بل بوتہ معلوم ہوتا ہے وہ چند لمحہ میری مقاومت کی تاب لاسکے گا اُس سے کہہ دو کہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے " -

اہل شہر کے روبرو یہ دونوں حریف مثل دو مسک ہاتھیوں کے لڑے اور آخر الامر جرا سندھ مارا گیا - سری کرشن نے مقید راجوں کو رہائی دیکر راجہ جدہشتر کے راج سوچک میں آنے کے لئے مدعو کیا - بعدہ جرا سندھ کے

بیٹے کو تخت نشین کر کے اندر پرست واپس آئے —  
 اب متبرک جگ کی تیاریاں کی گئیں۔ تمام تاجداران  
 عالی و قار و مقتدران روز گار اپنے خدم و حشم کے  
 ساتھ اظہار اطاعت کے لئے پاندو شہزادوں کی خدمت  
 میں حاضر ہوئے بڑی شان و شوکت اور حزم و احتشام  
 سے جشن اور جلسے مرتب کئے گئے اس تقریب کی طہطراق  
 اور عظمت کے بیان میں گل مورخین رطب اللسان ہیں۔  
 ہر ایک پاندے شہزادے اور ان کے احبا و اقربا کو  
 اعلیٰ قدر سراتب جگ کا ایک ایک کام سپرد کیا گیا  
 تھا۔ علہائے دین اور متبرک بڑھمنوں کے استقبال کی  
 خدمت سروس کرشن نے اپنے ذمے لی۔ وہ باعزاز تمام اُن  
 کا استقبال کرتے اپنے ہاتھوں سے اُن کے پاؤں دھوتے اور  
 جگ کے بڑے کھڑے میز لے جاتے۔ معزز ناظرین۔  
 دیکھئے زمانہ کا سب سے برتر اور برگزیدہ رہنما جگ  
 کے نہایت ذلیل مگر قابل تعریف کاموں میں یوں  
 مصروف تھا —

اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ حضار جلسہ میں  
 جو سب سے بڑا اور معزز شخص ہوتا اُس کو تقریب کے اختتام پر  
 اظہار اعزاز کے لئے پہلا ارگ \* دیا جاتا تھا۔ بھیشم نے تجویز  
 کیا کہ پہلا ارگ سروس کرشن کو دیا جائے۔ اس وقت بے شبہہ کل  
 حاضرین مجالس میں یہی سب سے اعلیٰ اور برتر تھے۔ اس تجویز  
 کو سنکر راجہ سسپال کے دماغ میں بجلی سی کوند گئی  
 وہ غصہ کو ضبط نہ کر سکا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

• سندسرت کے زمانہ میں دستور تھا کہ معزز و مقدس  
 شخصوں کے سامنے تونتی دار لوتے سے پانی ڈالکر اظہار اعزاز  
 کرتے تھے اس رسم کو ارگ کہتے ہیں۔ مترجم —



"سری کرشن کو ازگ لینے کا کیا حق ہے؟ نہ وہ کہیں  
 کا بادشاہ ہے نہ جنگ جو۔ نہ علامہ دین۔ اور اگر یہ کہا  
 جائے کہ وہ عمر کے لحاظ سے بزرگ ہے تو یہاں اُس کا  
 باپ واسدیو موجود ہے۔ اگر وہ خلق دوست سمجھا جائے  
 تو شاہ درو پد سے زیادہ کسی صورت میں عوام کے ساتھ  
 ہمدردی کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ تم اسے اپنا کرو سمجھ کر  
 عظمت کرتے ہو۔ تو یہاں اعلیٰ درجہ کا گرو درو نا بیٹھا  
 ہے۔ سری کرشن ایک ملحد مرتد شخص ہے۔ اُس کا  
 کوئی مذہب نہیں ہے۔ نہ اُس کی قوم کا پتہ ہے۔ نہ  
 اُس کے چال چلن کا تھکانا ہے اور نہ وہ کسی اصول کا  
 پابند ہے۔ وہ دنیا میں ہر قسم کے فسق و فجور اور  
 منہیات کا مرتکب ہوا ہے۔ کیا تم نے اُس جلسہ میں  
 یوں ہماری آبرو ریزی کرنے کے لئے ہمیں مدعو کیا ہے؟  
 کیا معزز مہمانوں کے ساتھ یوں نہیں پیش آتے ہیں؟"  
 پھر اس نے سری کرشن کی جانب رخ کر کے کہا شروع  
 کیا۔ "تم کیسے سادہ لوح اور کم اوقات ہو۔ یہ لوگ تمہارا  
 مذاق آراتے ہیں اور تم اُس سے مس نہیں ہوتے اور ان  
 کو ایسی مزخرف اور ناپسندیدہ حرکتوں سے باز نہیں  
 رکھتے۔" پھر اس نے حضار جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر  
 کہا۔ "معزز راجگان جہاں ایسے ذلیل اور حقیر آدمیوں  
 کی اس قدر عزت و حرمت کی جاتی ہے وہاں اسپتال اپنی  
 موجودگی کسر شان سمجھتا ہے۔" اس تقریر کے بعد وہ آگ  
 ببول ہو کر اٹھ کھڑا ہوا مجمع کو چھوڑ کر چلے جانے کا  
 قصد کیا۔ اور انٹر حاضرین نے اس کی پیروی کی۔  
 اس وقت جلسہ میں بڑی ہل چل پڑ گئی۔ سب سے  
 چھوٹے پاندو شہزادے نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر للکار کر کہا۔

” جو شخص سری کرشن کی عبودیت سے منصرف ہوگا میں اُس کا سر اپنے پاؤں تلے پیس ڈالوں گا۔“ بس اب تاب کہاں تھی غصہ کے مارے سسپال کے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ فرط طیش سے گرجنے لگا اور سری کرشن پر مغلظ گالیوں کا سینہ ہرسا دیا۔ مگر وہ ضبط کئے دم بخود کھڑے رہے اور اس کی طفلانہ حرکات اور طعن و تشنیع پر مسکراتے رہے۔

بزرگ منس بہیشم اور جوان شورا پشت راجہ سسپال میں خوب بحث و تکرار اور دیر تک رد و بدل ہوتی رہی۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے سے دست بگریبان ہو جائیں بالآخر بہیشم نے اُتھہ کر کہا۔ ” ہم سب سری کرشن کی بندگی اور پرستش کریں گے۔ جو کوئی اس کے خلات ایک لفظ بھی زبان سے نکالے گا میں ابھی اس کا سر اپنے پاؤں سے کچل ڈالوں گا۔ کوئی شخص اپنے آپ کو سری کرشن سے افضل سمجھتا ہے تو وہ ان سے مجادلہ کی درخواست کیوں نہیں کرتا۔“

سسپال نے سری کرشن کی طرف جنہوں نے ابھی تک کوئی لفظ بھی زبان سے نہ کہا تھا پلٹ کر نہایت فاملائم الفاظ کہہ کر اس طرح مبارزت کی درخواست کی۔ ” تم بزدلے نہ ہو گے تو مجھے ضرور لڑو گے۔“ اب سب کی آنکھیں سری کرشن کی طرف لگ گئیں انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ اپنی جگہ سے اُتھہ کر کہا۔ ” میں تجھے ایک مرتبہ سے زیادہ معاف کرچکا ہوں۔ میرا خیال تھا تو کجروی چھوڑ کر راہ راست پر آجائے گا مگر تولے اس کے خلات مجھ سے لڑنے کی درخواست کی۔ پس میں چھتری ہو کر اُسے فام منظور نہیں کر سکتا لے اب موت کے لئے تیار

ہوجا - تیرا پیمانہ حیات لہریز ہوچکا ہے - یہ کہہ کر مغرور  
 راجہ سسپال پر حملہ کیا اور چشم زدن میں اُس کا  
 سر تن سے جدا کر دیا - اس کے قلع قمع ہوجانے سے تمام  
 سرکش قاجداروں کو عبرت ہو گئی - پھر کوئی بھی جگ  
 کی کارروائی میں مداخل ہونے کی جرأت نہ کرسکا - بڑی  
 شان و شوکت سے جگ کا انجام ہوا سب سہان خوش خوش  
 رخصت ہوئے - کورو شہزادے اپنے چھپیرے بھائیوں کی  
 اس کامیابی کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگے -  
 لہذا انہوں نے ان کے زوال کے لئے منصوبے گانتھے اور  
 ان میں کامیاب ہوئے -

خفیہ طور سے مجلس شوریٰ منعقد کی گئی جس میں  
 کوروں کے چچا سکنی نے یہ مشورہ دیا کہ جدہشتر کو  
 چوسر کھیلنے کے لئے بلانا چاہئے - وہ چھتری ہے جنگ  
 یا قہار بازی کی درخواست کبھی نامنظور نہیں کرسکتا -  
 میں چوسر کی بازی میں اُس کا سب مال و متاع جیت  
 لوں گا اور اس ترکیب سے اُسے اور اُس کے بھائیوں کو دنیا  
 میں سخت ذلیل کروں گا -

یہ بد صلاح سب کو پسند آئی - جدہشتر کو چوسر  
 کھیلنے کے لئے بلا بھیجا اور نہایت بد قسمت کھیل شروع  
 ہوا - قہار بازی کے اس بڑے جلسہ میں پاندو اور کورو  
 باہم حریف بنے -

افسوس حرمان نصیب جدہشتر کی قسمت نے اس کا  
 ساتھ نہ دیا - وہ ہارنے لگا اور رفتہ رفتہ اپنی کل دولت  
 ہار دی - کیا املاک - کیا جائداد کیا خیمہ - کیا خرگاہ کیا  
 زر و جواہر غرض کچھ بھی نہ بچا - پانسے نے یہ تھلگ  
 دیکھتے ہی چہکے چہوت کئے - ہائے جب اُس کہ پاس کوئی اور

چیز لگانے کو نہ رہی تو اُس نے اپنے ڈھوٹے بھائی کو داؤں پر لگا دیا۔ اور اسے بھی ہار گیا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے سب بھائی ہار دیئے۔ بالآخر اپنے آپ کو داؤں پر لگایا اور بن داسوں کا غلام بن گیا۔ اب اس نے پہلے اپنا سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر مجمع میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور اپنی پیشانی سے پسینہ کے گرم گرم قطرے پونچھنے لگا۔ اس وقت حقارت آمیز تمسخر کے ساتھ سکنی نے کہا۔ ”جدہشتر اب کی بار اپنی جو رو درو پدی کو داؤں پر لگا دو۔ وہ بڑی خوش نصیب ہے تم ضرور جیتو گے۔“ اُس نے ایسا ہی کیا اور خاموشی کے ساتھ پھر کھیلنے لگا۔ مگر افسوس یہاں بھی تقدیر نے دھوکا دیا یعنی وہ اپنی پیاری بیوی سے بھی ہات دھو بیٹھا۔

کوروں کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ وہ بار بار اپنی کامیابی پر خوش ہوتے اور جاسے میں پھولے نہیں سہاتے تھے۔ اُن کے دل کا کنول کھل رہا تھا اور کلیجہ بانسوں اُچھلتا تھا۔

مگر یہ خوشی دیر تک نہ رہی۔ فیک سرد بدر نے عین کر یاں میں غلام مارا اور کوروں کا بنا بڈایا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ پہلے بھیشم سے ملا پھر نابھنا شاہ دھرتراشتر کے پاس گیا اور اُس سے اُس کے بدذات بیٹوں کے کوتوتوں کی کیفیت موبہو کہی اُس نے بالبحاح التجا کی کہ پاندو کو کوروں کے قہر و غضب سے پناہ دیجئے اور چندر بنسی خاندان کو شخصی بربادی اور باہمی نفاق سے بچائیے۔ شاہ مذکور نے پاندو کو اپنے روبرو طلب کر کے غلامی دوام سے آزاد کیا اور از سر نو نئی معاش پیدا کرنے

کی اجازت دی —

درجودھن کی اُمیدوں کا خون ہو گیا۔ اپنے باپ کے حکم کے خلاف وہ پانڈو کو چلے جانے سے منع نہ کر سکا۔ اس بات کو وہ خوب جانتا تھا کہ جدید مہالک کا فتح کرنا اور بیشمار مال و دولت جمع کرنا پانڈو کے بائیں ہات کا کرتب ہے لہذا اُس نے اپنے چچا سکمی سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ ہماری عزو جاہ کا رستہ ان کافتنوں سے اب کیونکر صاف ہو سکتا ہے —

سکمی نے کہا اُنہیں چوسر کھیالے کے لئے پھر بلانا چاہئے۔ اب کی بار داؤں اس شرط سے لگایا جائے کہ وہ ہار جائیں گے تو اُنہیں جلا وطنی میں بارہ برس تک جنگل کی خاک چھانڈنی پڑے گی۔ اس مدت میں اُنہیں کسی ایسے بھیس میں رہنا ہو گا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اگر اس میدان میں وہ پہچان لئے جائیں گے تو اُنہیں پھر بارہ سال تک جلا وطن رہنا پڑے گا۔ اسی طرح آئندہ جس وقت پہچانے جائیں گے اسی وقت سے غریب الوطنی کی وہی میدان از سر نو شروع ہو جائیگی ہم اُنہیں ہر مرتبہ پہچان لینا کریں گے۔ اور یوں ہمیں یقین کامل ہے کہ کبھی اُن کو اپنے وطن مالوں کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہو گی۔ درجودھن نے کہا فرض کرو جدہشتر جو کھیالے یا جلا وطنی اختیار کرنے سے قطعی انکار کر دے۔ سکمی نے جواب دیا۔ ”اُنہ تم جدہشتر کو نہیں جانتے۔ وہ بڑی اُن بان کا آدمی ہے۔ وہ ہرگز انکار نہ کریگا“ —

دوسرے روز صبح کو جدہشتر سے قہار بازی کی پھر درخواست کی گئی۔ اُس کے بھائیوں نے بڑی ملتوں سے اُسے نامنظور کرنے کے لئے اصرار کیا تو جدہشتر نے جواب دیا ”کیا تم چاہتے



ہو کہ میں چھترہوں کے پاک فرائض ادا کرنے میں قاصر رہوں؟ خدا تعالیٰ نے ہمیں مصیبتیں اُتھانے کے لئے پیدا کیا ہے پس ہم کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اُس کی مرضی پر شاکر رہنا چاہئے۔ —

بد نصیب بازی پھر شروع ہوئی اور جدہشتر پھر ہارا۔ ایمانداری اور سچائی کے دلدادہ پاندو نے بارہ برس کی جلا وطنی کے لئے اندر پرست کو خیر باد کہا ان کی وفادار پیاری بیوی درو پدی نے دکھ درد میں اپنے خاوند کا ساتھ دینے کے لئے اُن کے ہمراہ جانا پسند کیا۔ القصہ وہ سب بد قسمت جلا وطن اہل شہر کو گریہ و زاری میں مبتلا چھوڑ کر جنگل کو سدھارے۔ — ان جانکاہ حادثوں کی سری کرشن کو مطلق خبر نہیں ہوئی۔ اسی زمانہ میں ایک قریب کے بادشاہ نے شہر دوار کا محاصرہ کیا اور سری کرشن کو مجبوراً اُس کی سرکوبی اور رفعداد کے لئے بہت دنوں تک ایک جنگ عظیم کرنی پڑی۔ جب اس فاعاقبت اندیش کی سزا دہی کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آئے تب اُنہیں اپنے پاندو دوستوں کی مافتاد کا حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً جنگل میں پاندو کے قیام گاہ پر اُن سے ملنے گئے اور اُن کی واژوں طالعی پر بہت تاسف کیا۔ ان کے جھونپڑے پر کچھ دنوں تک اُن کے پاس رہ کر اپنے شہر کو واپس آئے اور چلتے چلتے وعدہ کر آئے کہ جہاں تک جلد ممکن ہوگا پھر ملیں گے۔ —

پاندو شہزادوں نے اپنی جلا وطنی کا آخر زمانہ ملک بیرات میں گزارا۔ مگر بہت جلد اُن کا راز افشا ہو گیا اور راجہ نے اُنہیں پہچان لیا۔ —

خدا کی مشیت کون جانتا تھا کہ ان غریب الوطنوں کو اس دشت نووردی میں بھی شاہانہ عیش و عشرت حاصل ہوگی اور اس بے سرو سامانی اور سقیم العالی میں ان کے اقبہاں کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ جائیگا راجہ بھرات نے بڑے اعزاز و اکرام سے انہیں اپنے تخت پر بٹھایا اور ارجن کے بیٹے ابھانو کے ساتھ جو سبھدرا کے بطن سے تھا اپنی بیٹی اقیارا کی شادی کردی —

یہ خبریں کورو دارالسلطنت میں بھی بہت جلد پہنچ گئیں ۔ قابینا شاہ دھر تراشتر فخر خاندان ہمیشم ۔ اعلیٰ ادیب درونا ۔ اور راستباز بدر سب نے مل جل کر کوششیں کیں کہ در جودھن کو پاندوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرنے کے لئے راغب کریں مگر اُس دھن کے پکے نے اپنے افترا پرداز چھا سکنی اور بوالہوس دوست کرن کی فیش زنی کے باعث ان سب کی نیک صلاحوں کی طرف سے کان بہرے کر لئے —

پاندوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ قتل و خونریزی نہ ہو ۔ سری کرشن بھی ہمیشہ مصلحت ہی کو پسند کرتے تھے ۔ بے وجہ کشت و خون کے سخت مخالف تھے اس لئے انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ در جودھن کے پاس جا کر اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ مراعات کرنے کی رغبت دلائیں اور بہ حسن سلوک پیش آئے کہ ہدایت کریں —

جن جن دیہات میں ہو کر سری کرشن گزرے وہاں بڑی بڑی آرائشیں کی گئیں پھوس کے چنپیر اور کچے مکانات اس عہدگی سے سجائے گئے کہ شہر کی عمارتوں کی صفائی ماند ہو گئی ۔ روشنی سے ہر کوچہ و بازار منور ہو گیا ۔

## رہنمایان ہند

ہر طرف دوالی کے چراغاں کا لطف نظر آتا تھا۔ جہاں  
 سری کرشن نے قدم رکھا خرابے چمن زار بن گئے۔ دشت  
 و بیابان سنبلستان کی بہار دکھانے لگے۔ کیا بدھے۔ کیا  
 جوان کیا سود اور کیا عورت ہر ہر مقام پر سب  
 سری کرشن کی زیارت کو آتے۔ پاؤں چھوتے اور لباس  
 مقدس کو چومتے۔ غرض اُن کی تشریف آوری سے ہر  
 شخص شاداں و فرحاں تھا۔ جب بزرگ منس راجہ  
 دھرتراشتر نے سنا کہ سری کرشن اُس کے دارالسلطنت کی  
 طرف آتے ہیں تو اُس نے خیر مقدم کی خوشی میں  
 اعلیٰ درجہ کی تیاریاں کیں۔ شہر پھول پتی سے آراستہ  
 کیا گیا۔ پری پیکروں کی جلوہ نمائی سے ہر گلی کوچہ  
 میں بہار آگئی۔ شاہی جلوس کے کروفور سے کزر گاہوں  
 میں رونق تازہ ہوگئی، تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر گویوں  
 اور ارباب نشاط کی چوکیاں بٹھادی گئیں۔ اسرائے درات  
 اور اعیان سلطنت جمع کئے گئے۔ شہزادے پیشوائی کے  
 لئے بھیجے گئے اور سری کرشن بڑی آن بان سے شہر  
 میں داخل ہوئے۔ دوست دشمن سب یکساں اُن کی  
 خدمتگزاری کرتے بلکہ عوام انہیں اپنا زندہ خدا  
 جانتے تھے۔ تاریخ دنیا میں ہم ایسا کوئی شخص نہیں  
 پاتے جس کی اتنی عظمت اور پرستش کی گئی ہو۔  
 مگر ان کو اس سفارت میں کامیابی نہیں ہوئی —  
 انہوں نے بڑی مدت سے کہا ”درجودھن۔ ان پانچوں  
 بھائیوں کو اپنی وسیع سلطنت سے صرف پانچ ہی گاؤں  
 دے تالو۔ جو کچھ تھوڑا بہت تم انہیں دو گے وہ اسی  
 پر قناعت کریں گے“ درجودھن نے کہا ”نہیں یہ ہرگز  
 نہ ہوگا۔ جب تک چھتریوں کے اسلحہ کے جوہر نہ کھلیں گے

اور میدان کار زار میں خون کی ندیاں نہ بہیں گی ایک انگل زمین بھی نہ ہی جائے گی۔

الغرض ہر دو جانب جنگ تھن گئی۔ مناقشات اور مشاجرات شروع ہو گئے دونوں فریق معرکہ آرائی کی تیاریوں میں مصروف و مذہمک ہوئے اور اپنے اپنے طرفدار بادشاہوں اور دوست شہزادوں کو شرکت جنگ کے لئے بلا بھیجا۔ بے اندازہ سامان حرب مہیا کیا گیا اور ملک کے ہر حصہ سے سپاہ فراہم کی گئی۔

اس زمانہ میں سری کرشن سب سے بڑے آدمی تھے۔ ہر فریق ان کی معاونت کا آرزو مند تھا مگر وہ دونوں حریفوں کو یکساں عزیز رکھتے تھے۔ جب ان سے اس امر کی استدعا کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں دونوں میں سے کسی کے خلاف فبرہ آزمائی نہ کروں گا مگر ہاں جو میرے پاس پہلے آئے گا اس کے ہمراہ میدان جنگ میں موجود رہوں گا۔ درجودھن نے دوار کا پہنچنے میں بڑی عجالت کی اور جس وقت سری کرشن کی ملاقات کو گیا تو انہوں نے خواب میں پایا۔ وہاں ایک سولے کا مرصع تخت ان کے سرہانے بچھا تھا وہ اس پر بیٹھ کر ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ارجن بھی جا پہنچا اور ان کے پائینتی بیٹھ گیا۔ سری کرشن نے آنکھیں کھولیں تو ان کی نظر پہلے ارجن پر پڑی اور دریافت کیا ”تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“ ارجن نے کہا۔ ”پیارے دوست میں تم سے ایک چیز مانگنے آیا ہوں۔“ سری کرشن نے جواب دیا۔ ”میں تمہیں کیا دے سکتا ہوں اور یوں تو میں ہمیشہ تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“ ارجن نے کہا۔ ”مجھے اور کچھ

درکار نہیں ہے میں بنفس نفیس آپ ہی کو مانگتا ہوں۔“  
 سری کرشن نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”پیارے دوست تم نے  
 سنا ہوگا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ اس لڑائی میں کسی  
 کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاؤں گا۔ پھر میں تمہارے کس کام  
 کا ہوں اور مجھ سے تمہیں کیا امداد مل سکتی ہے  
 ارجن نے کہا۔ ”یہ تو مجھے پورے طور سے یقین ہے کہ  
 اس جنگ میں نصرت و فیروزی کا سہرا میرے ہی سر  
 رہے گا۔ اور میری شہشیر خارا شگت دشمن کے حق میں  
 بلاے بیدار ماں ہر جائے گی۔ مگر جب تک میرے پیارے  
 دوست میری فتح یابی کی خوشی میں شریک نہ ہوں گے  
 مجھے راحت نہ ہوگی۔“ سری کرشن نے فرمایا۔ ”اچھا۔  
 بہتر۔ میں تمہاری رتہہ بانی کروں گا۔“

اس کے بعد سری کرشن نے سر اٹھا کر درجودھن کو  
 دیکھا اور کہا ”پیارے بیٹائی جو کچھ گفتگو اس وقت  
 ہوئی وہ تم نے سن ہی لی تاہم میں تمہاری خدمت  
 کو حاضر ہوں۔ اب بتاؤ تم مجھے لینا پسند کرتے ہو  
 یا میری فوج کو؟“ درجودھن نے سوچا کہ جب یہ لڑنے سے  
 انکار ہی کرتے ہیں تو انہیں لینا بے فائدہ ہے۔ ہاں ان  
 کی فوج کو مانگ لینا بیشک کسی قدر سود مند ہوگا  
 لہذا اس نے جلدی سے کہا ”اگر آپ مجھے اپنی فوج  
 دیدیں گے تو میں آپ کا از حد شکر گزار ہوں گا۔“  
 سری کرشن نے اسے فوراً منظور کر لیا اور درجودھن ان  
 کی جرار فوج لیکر ہستنا پور واپس آیا۔ پھر ارجن  
 سری کرشن کو ساتھ لیکر دوارکا سے روانہ ہوا۔

جب سب تیاریاں ہو چکیں۔ جہاز سامان حرب فراہم  
 ہو چکا۔ جد ہشتار نے اپنی فوج ظفر موج کا کوچ بول دیا۔



اور کورک شپتر کے میدان میں آ کر خیمہ زن ہوا اُدھر  
درجودھن اپنی حیرت انگیز سپاہ لیکر معرکہ آرائی کے  
لئے ہستنا پور سے روانہ ہوا —

ہر طرف لاکھوں کڑوروں سپاہ کا دل بادل اُمنڈ پڑا۔  
بڑے بڑے آزمودہ کار سپہ سالار اور شجاعان ذی اختیار  
اس جنگ عظیم میں آ کر شریک ہوئے بھائی بھائیوں  
اور دوست دوستوں کی لڑائی تھی۔ ایک طرف فخر  
اکبران دیار بھیشم۔ سر آمد قبالن روزگار درونا سر گروہ  
شجاعان زمانہ کرن۔ شاہ نا بیلا کے ایک سو فرزند اور  
بیشمار فیروے بڑے بڑے طاقتور تاجداران ہند کے افسر  
بنے۔ دوسری طرف پانچوں پاندو شہزادے ان کے فرزند  
ابھمانو۔ گھنوت کچھہ ان کے دوست شاہ دروید شاہ بیرات۔  
اور ہند کے چند اور معزز راجگان جو ان سے نسلی واسطہ  
یا نسبتی تعلق رکھتے تھے صف آرا ہوئے۔ ان سب کے  
سر تاج سری کرشن ان کے ہادی مشیر اور پیشوا بنے۔  
بھیشم قول کر چکا تھا کہ نا بیلا بادشاہ کے لڑکوں کو  
کبھی تلہا نہ چھوڑے گا اور ہر حال میں ان کا رفیق  
بنا رہے گا۔ اسی وجہ سے بکمال جبر و اکراہ سے دس روز  
کے لئے کورو افواج کی سپہ سالاری قبول کرنی پڑی۔ اس  
کی فوجی کارنمائیاں اور جنگی قابلیتوں کے بیان کرنے  
کی کوشش کرنا محض فضول ہے۔ کیونکہ نہرو آزمائی اور  
تدابیر جنگی میں کوئی اس سے بہتر تھا ہی نہیں۔ جب  
ہنگامہ جدال و قتال گرم ہوا اور دونوں جانب سے دلیران  
جانباز سر فروشی کرنے لگے تو اس نے شجاعت کے ایسے  
جوہر دکھائے اور اس قدر قتل و خونریزی کی کہ پاندوں  
کی تقریباً نصف فوج کھیت رہی —

یہ ہمیشہ ہی کا دل گردہ تھا کہ اُس نے سری کرشن جیسے مستقل مزاج شخص کو عہد شکنی کرنے کے لئے مجبور کر دیا وہ قریب قریب کل پانڈو فوج کو تہ تیغ کر چکا تب بھی بیہٹل بہادر ارجن نے اپنے جری اور جنگجو حریف سے ہتھیار نہ لیا۔ گو ہر طرح سے وہ بخوبی اُس کا مقابلہ کرسکتا تھا۔ اس وقت سری کرشن نے ارجن کی منتیں کیں پھسلیا۔ ترایا۔ دھمکایا۔ اور مختلف طریقوں سے ہمیشہ پر وار کرنے کی ترغیبیں دیں مگر افسوس ساری خوشامد اور تخویف بیکار گئی۔ قصہ کو تاہ جب پانڈو فوج کے بچانے کی کوئی اور صورت نہ رہی تو سری کرشن ارجن کے رتہ سے کود پڑے اور ایک ٹوٹا ہوا پھیہ اُٹھا کر ہمیشہ کی طرف دوڑے —

ہمیشہ نے دیکھا کہ سری کرشن میرے مارنے کے لئے آتے ہیں تو اُس نے فوراً اپنے ہتھیار پھینک دئے اور ہات جوڑ کر مناجات کرنے لگا "اپنے خدا کے اوتار اب مجھے معلوم ہوا تجھے اپنے سچے پرستش کرنے والوں سے کس قدر معیت ہے۔ تو نے ان دونوں فوجوں کے رو برو صورت اس غرض سے اپنا عہد صالح توڑا ہے کہ تیرا پیارا معتقد ارجن اپنا قول پورا کرے۔ میں نے عہد کیا تھا کہ تجھ سے اس جنگ میں ہتھیار اٹھوا کر مافونگا چنانچہ میں کامیاب ہوا۔ اذنا میں کس قدر خرس نصیب ہوں! اے کرشن میں حاضر ہوں مجھے مار تاں۔ میں تجھ پر اپنی جان کو قربان کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا مناجات کروں" لیکن اس وقت ارجن اُن پہنچا اُس نے اپنے ہات سری کرشن کی کمر میں تال دئے اور اُن کو آگے بڑھنے سے مانع ہوا اس نے ہمیشہ کے قتل کرنے کا وعدہ کیا اور سری کرشن تبسم کرتے ہوئے

رتھہ پر آ بیٹھے۔ —

مگر بھیشم جیسے شجاع اور یگانہ زمانہ کا مار تاللا کچھہ آسان نہ تھا۔ اس لئے پانڈوں نے اس پر غالب آنے کی تدابیر سوچنے کے لئے ایک جنگی مجلس شوریٰ منعقد کی۔ سری کرشن نے کہا جب تک بھیشم کے جسم پر ہتھیار رہیں گے دنیا میں کوئی شخص اُس کو شکست نہیں دے سکتا جنگ میں فتح حاصل کرنا تمہارا فرض خاص ہے اس کے لئے جن ذریعوں اور وسیلوں سے ممکن ہو سکے کوشش کرنی ضرور ہے۔ اس میں کسی بات کے جا اور بیجا ہونے کا مطلق خیال نہ کرنا چاہئے۔ پس میری رائے میں اے ارجن کل تم سکھتدی کو اپنے ساتھ لیجاؤ اس کو دیکھتے ہی بھیشم اپنے ہتھیار پھینک دیگا تم کو خاصہ موقع ملجائے گا چاہو اُس کو مغلوب کرو چاہو قتل کرو اور یوں پانڈو کے لشکر کو کشت و خون سے بچاؤ۔ —

دوسرے روز سری کرشن کی مصلحت آمیز نصیحت پر عمل کیا گیا۔ خدا کو منظور تھا تو یہ حکمت عملی چل گئی۔ بھیشم سکھتدی کو ارجن کے رتھہ پر بیٹھا دیکھ کر مسکرایا اور اپنے ہتھیار کمر سے کھول کر رکھ دیئے۔ ارجن نے فوراً بھیشم کے ایک زخم کاری لگایا اور وہ مجروح ہو کر اپنے رتھہ پر سے گر پڑا۔ اس وقت دونوں کو رو اور پانڈوں حریفوں کے سرغنے اپنے زخم خوردہ سر پرست کی طرف دوڑے اور اس کے لئے زار و قطار رونے لگے کیونکہ یہ سب اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کی عزت کرتے تھے۔ —

اب کوروبسر کرد کی دروفا جنگ کرنے کے لئے میدان کار زار میں آئے۔ دروفا نے اپنی فوج کی صفیں ایسے حیرت انگیز طریقہ سے جھائیں کہ پانڈو کو اس

مقوس قطار کا توڑنا یا اُس کے اندر داخل ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا۔ مگر جوان سرد ابھانوں بڑی جرات کے ساتھ دھاوا کر کے اس نصف دائرے میں گھس پڑا اور ہزاروں دشمنوں کو تلوار کے گھات اُتار دیا۔ اُس وقت کورونے بڑی پھرتی کے ساتھ اس کو فرغہ میں کرلیا اور سات بڑے بڑے فہرہ آزما۔ درونا۔ کرن وغیرہ وحشیانہ جوش و خروش سے شور و غل کرتے ہوئے اس پر ٹوت پڑے۔ پھر کیا تھا بیچارہ بہت جلد مغلوب ہو کر مارا گیا۔ بہیم نو جوان شجاع کی مدد کو دورا مگر جب تک یہ اُس تک پہنچے پہنچے وہ زخم کاری کھا کر اپنے رتھ سے گرچکا تھا۔ اس رنج و غم نے بہیم کو پہلے سے دہ چند خشکیوں بنا دیا اور وہ بدلہ لینے پر تل گیا۔ اس نے اپنے بدذات چچازاد بھائیوں میں سے تیس کی جانیں نفس عنصری سے رہا کیں اور ایک ہزار دشمنوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔

میدان مصافحے کے دوسرے حصہ میں راجہ دوروید قتل ہوا اور کرن نے کھتوت کچھہ کو مارا۔ یوں پانڈو فوج کو ہر طرف شکست ہوئی۔ معرکہ آرائی اور فہرہ آزمائی کے حوصلے پست ہو گئے۔ کورونے کی تلوار کی وہ دھاک بندھی کہ درونا کی لڑائی میں ارجن نے زخم کاری کھایا اور اسے رتھ پر غش آکھا۔ سری کرشن نے یہ کیفیت دیکھی تو پکار کر کہا۔ ”او درونا تیرا فرزند استو تھاما مارا گیا۔“ مگر اس کی اصلیت صرف اتنی ہی تھی کہ ایک جنگی ہاتھی استو تھاما کو جو درونا کے بیٹے کا ہم نام تھا بہیم نے مارا تھا۔ سری کرشن سے اپنے پیارے بیٹے کے مرنے کی خبر سنکر یہ مسن بہادر رنج کے مارے ہکا بکا ہو گیا۔ مگر اس نے کہا مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا اگر جدہ شتر کہے تو میں باور کراؤں میں جانتا ہوں وہ راست گو ہے ہرگز جھوٹ نہ بولے گا۔

سری کرشن جدہشتر کو دم دلایے دیکر بہادر درونا کے پاس اپنی شہادت کے لئے لائے مگر اُس نے ایسی دروغ گوئی سے قطعی انکار کیا۔ آخرش سری کرشن نے جدہشتر کو صرف اتنا فقرہ کہنے پر رضامند کیا۔ ”استو تھاما ( ہاتھی ) مارا گیا۔“ جو نہیں جدہشتر کی زبان سے لفظ ”ہاتھی“ نکلا انہوں نے فوراً اپنا ناقوس پھونکا اور اُس کی گونج جانے والی آواز سے وہ لفظ درونا کے کان تک نہ پہنچا۔ درونا بیٹھے کا مارا جانا سنتے ہی غش کھا کر گر پڑا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پاندو کی طرف کا ایک بہادر فوراً جست کر کے رتھہ پر جا پہنچا اور درونا کا سر کاٹ لیا۔

اگلے دن کورو کرن کی ماتحتی میں رزمگاہ میں آئے۔ اس روز صبح سے شام تک بڑے گھہسان کی لڑائی ہوئی دونوں طرف سے قدر اندازوں نے اس قدر تیر بوسائے کہ ساون بہادوں کی جھڑی کا سزا آگیا۔ قدر اندازوں نے تیروں کی بھرمار کی تو آن کی ان میں پرے کے پرے صاف ہو گئے۔ فوجی لوگوں کے ہجوم میں ایسا شور و غل برپا تھا کہ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اور رُخھیوں۔ جاں بلب سپاہیوں کی گریہ و زاری سے عرصہ کارزار قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ غرض اس قدر قتل و خونریزی ہوئی کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں اور کورک شیترا کا میدان لالہ زار بن گیا۔ بھیم نے اپنے چچا زاد بھائی دھوساسی اور بدذات کورو شہزادوں کو قتل کر ڈالا مگر کرن نے اُسے پسپا کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ اس مہر کہ میں دونوں طرف کی بہت سی فوج کام آئی۔ اب پاندو آہستہ آہستہ

پیچھے ہٹنے لگے حتیٰ کہ شکست کھا گئے۔ یہ حال دیکھ کر ارجن نے جلدی سے اپنی تتر بتر فوج کو اکھٹا کیا اور کرن کے سر پر اکھڑا ہوا۔ یہ دونوں فنون سپہ گوی میں یگانہ زمانہ تھے گھنٹوں تک شیروں کی طرح لڑتے رہے اور آخر کار کرن مارا گیا۔ فتحہند پانڈر نے زور زور سے قہقہے لگائے اور کور و ہزیمت خوردہ ہو کر اپنے قیام گاہ کو واپس آئے۔

یہ خبر بہت جلد مشہور ہو گئی کہ درجودھن میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ پانڈو نے فوراً تعاقب کیا اور اُسے محفوظ جگہ سے جہاں وہ چھپا ہوا تھا تھوند نکالا۔ جب جائے گریز نہ رہی تو اُس نے نکل کر بھیم سے دست بدست مبارزت کی درخواست کی اور دونوں دوست ہاتھیوں کی طرح لڑنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درجودھن سختہ مجروح ہو کر مارا گیا ان کے سوا درجودھن کے جسم کا ہر ایک حصہ مثل آہن کے ایسا سخت تھا کہ کوئی ضرب یا ہتھیار کار گزارہ ہوتا تھا۔ جنگ کی پریشان اور سر اسہیگی میں بھیم اُس کی ران پر ضرب لگانا بھول گیا۔ مگر سری کرشن نے جو یہاں موجود تھے اس طور سے گویا کہ وہ بھیم کا دل بڑھا رہے ہیں اپنی ران پر زور سے ہات مار۔ اس اشارے کو سمجھ کر بھیم نے درجودھن کی ران پر ایک مہلک ضرب رسید کی اور اسی آنری ضرب نے کورک شیترا کی جنگ عظیم میں پانڈو اور کوروں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا۔

پانڈو فتح کا تڑکا بجاتے ہوئے ہستنا پور \* میں داخل

\* یہ دہلی کے قریب آباد تھا۔ اب بھی کھنڈر موجود ہیں  
اللہ اللہ کسی زمانہ میں جہاں دن رات چہل پہل دھتی  
تھی، اب وہاں سناٹا، ہو کا عالم اور خاک اُرتی ہے۔ مترجم



ہوئے۔ مگر یہ فتحیابی تمام ان کے اعزا اور اقربا اور احباب و اقارب کے خون سے آلودہ تھی اس لئے اس سے انہیں ذرا بھی خوشی نہ ہوئی۔ مگر یہ معاملات تقدیری تھے ان میں کشش اور کوشش سے کیا ہوتا۔ جب وہ نصرت و فیروزی کے پرچم اڑاتے اپنے آبا و اجداد کی دارالسلطنت میں داخل ہوئے۔ تو ہر جگہ فرحت و شادمانی کے عیوض سناتا دیکھا۔ نہ خوشی کے شادیانے بجاتے سنائی دیتے اور نہ مبارک سلامت کی صدا یا آتش بازی چھٹنے کی آواز کانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ وہ خاموشی کے ساتھ چلتے چلتے بارگاہ سلطانی اور حرم شاہی کے مکافات میں پہنچے مگر ہائے یہاں بھی دل خراش ناواں اور شور و شیون کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اور ہر در و دیوار سے حسرت برس رہی تھی۔ —

اس طرح بدذات سرکش کوروں کا خاتمہ ہوا۔ مگر سری کرشن کو ابھی ایک اور بڑا کام کرنا باقی تھا۔ انہیں اپنے جادوں خاندان کے بداعمالوں سے بھی دنیا کو پاک کرنا منظور تھا جن میں ان کے بیٹے اور پوتے بھی تھے۔ —

فی الحقیقت اگر سری کرشن اس جنگ میں موجود نہ ہوتے اور وہ اپنی اعلیٰ تدبیر سیاسی اور حکمت عملیوں سے غریب پاندو کی اہانت نہ کرتے تو ان کا فتھیاب ہونا ناممکن تھا سری کرشن نے صورت مشورت اور ترغیب منہیات ہی سے اپنے پیارے دوست ارجن کو فتحیابی حاصل کرنے میں مدد نہیں دی۔ بلکہ اسے

ایک ایسا مذہب بھی اپنے بدن و فصاحت کی تائید میں تلقین کیا جو بالکل انوکھے اصول پر مبنی ہے۔ انہوں نے کہا اخلاقی نیکوں کی قید اٹھا دو اور کیا والدین، کیا ادیب، کیا برہمن، کیا حقیقی اور چھیرے بھائی، کیا مرد، کیا عورت، کیا بچے سب کو بیدریغ تہ تیغ کرو اور اس کے عملدر آمد میں ہر قسم کے مکر و فریب اور دروغ و ناراستی سے فائدہ اٹھاؤ۔ متھرا کی تخت فشیلی کے دن سے سری کرشن کے واقعات زندگی ایک اخلاقی اسرار ہو گئے تھے اگرچہ بدذاتوں اور بدکاروں کو صفحہ روزگار سے نیست و نابود کر دینا ان کا اصل مطلب اور دلی منشاء تھا اور محبت اور خوش حالی کی نئی دنیا ایجاد کرنا ان کے ہر کام سے پایا جاتا تھا۔ مگر انہوں نے بجائے خود اپنے آپ کو ایک ایسا شخص ثابت کیا جس کے قلب میں انسانی دل ہی نہ تھا جس کو رنج و راحت، برائی بھلائی کا کچھہ اثر نہ ہوتا تھا جو مجسم دنیا داری کا پتلا تھا اور جو اپنی مطالب بر آری کے لئے کسی قسم کے نیک و بد کام کرنے میں بدن ہی نہ تھا۔ غرض ان کا چال چلن امور اخلاقی سے بالکل متناقض بلکہ ایک بہت بڑا اسرار مخفی تھا۔

اگر سری کرشن اپنے مذہبی اصول اور فرائض زندگی کی تشریح کئے بغیر دنیا کے سر سے اپنا سایہ اٹھا لیتے تو اس میں شک نہیں کہ لوگوں کے خیالات ان کی جانب سے بہت ہی فاسد ہو جاتے۔ مگر جب ان کے دوست ارجن نے کورک شپتر کی جنگ عظیم میں ان کے انوکھے اصول اور قواعد مذہبی کی پیروی سے قطعی انکار کیا تو انہیں مجبوراً دلائل و براہین سے ان کی تشریح و

تائید کرنی پڑی۔ وہ اصول ایسے معقول سمجھے اور قابل عظمت ثابت ہوئے کہ ان کی بدولت اس دن سے تھام عالم میں ان کی پرستش خالق اکبر کے اعلیٰ اوتار کی طرح ہونے لگی اور ان کا مذہب کل بنی نوع انسان کا مذہب ہو گیا۔

اسی طرح وہ اپنے رشتہ داروں کو بلا سزا دیتے چھوڑ دیتے تو ضرور ہم کو ان کے مقصد کی صداقت میں کلام ہوتا۔ مگر اوروں کا تو کیا ذکر انہوں نے اپنی ذات قدسی صفات تک کو باقی نہ رکھا پہلے پہل اپنے قریبی رشتہ دار اور دوست کوروں کا خاتمہ کیا پھر اپنے خاص عالی قدر فرقہ کو جس میں ان کے پیشہوار لڑکے و پوتے بھرے بھے خاک میں ملا دیا۔

اسر آخر الذکر کی انجام دہی کے لئے وہ ان سب کو پرواسش کی بڑی جاترا کے لئے لے گئے۔ پرواسش نہایت خوشنما فرحت افزا اور متبرک مقام تھا۔ اس جاترا کی اہل ہوارکا کو بڑی خوشی ہوئی۔ سری کرشن کے لڑکے پوتے جانوں خاندان کے شہزادے وغیرہ سب بڑی سرگرمی سے تیاریاں کرنے لگے۔ کھانے پینے کو طرح طرح کی نعمتیں، شراب کے بے شمار قراپے اور جہلہ سامان عیش و نشاط ساتھ لیا غرض جاترا کا لطف اٹھانے کے لئے کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

اس متبرک مقام میں پہنچ کر پہلے سب نے دیلی رسوم اور مذہبی فرائض ادا کئے غربا و مساکین کو خیرات تقسیم کی۔ برہمنوں کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد خور و نوش۔ اور عیش و طرب میں مشغول ہوئے۔ معفل رقص و سرود گرم ہوئی۔ دور شراب چلنے لگا۔

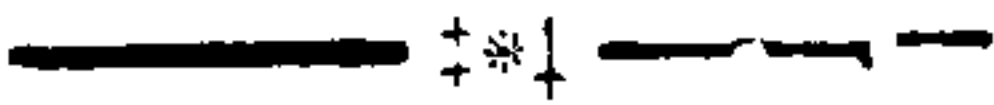
میخواری کی مضرتیں اہل خرد پر مخفی نہیں۔ رفتہ رفتہ نشہ ایسا تیز ہوا کہ ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے سخت کلامی کی۔ باتوں باتوں میں تلوار کھینچ گئی اور کسی کی جان گئی۔ مقتول کے دوست جہرست کر کے قاتل پر ٹوت پڑے قاتل کے حاسی اس کی مخلصی کے لئے دوڑے۔ یوں ایک اچھی خاصی لڑائی وہیں شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں چاروں طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں اور جادوں کے شہزادے درختوں کے پتوں کی طرح کت کت کر کر ہر طرف گرنے لگے۔ اس خانہ جنگی اور کشت و خون کے روکنے کے لئے سری کرشن سے مرافعت کی گئی۔ مگر وہ بھی۔ اس ہنگامہ میں بلوائیوں کی طرح شریک ہو کر خود اپنے لڑکوں اور پوتوں کو قتل کرنے لگے۔ اس طرح بہت جلد کل فرقہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور سریکرشن کے سوا کوئی باقی نہ بچا۔

اس واقعہ کے بعد سری کرشن نے اپنے رتھ بان کو حکم دیا کہ وہ ہستنا پور پہنچ کر اُن کے رفیق ارجن سے یہ تمام سرگزشت بیان کرے اور پیام دے کہ دوارکا کی بے سر پرست شہزادیوں اور لاوارث بیواؤں کو فوراً ہستنا پور لیجائیں اور اُن کی حفظ و امن میں مصروف ہوں۔

فاظرین اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب اُن کا ارادہ اپنے دارالسلطنت کی طرف واپسی کا نہ تھا۔ شاید اُنہیں یہ خیال ہوا کہ اب ہمارا دور ختم ہوا اور قبضہ دخل اُتھ گیا یا شاید یہ مطلب ہو کہ ہمارا کام انجام کو پہنچ گیا۔ خیر جو کچھ بھی ہو اُنہوں نے کم توجہی کے ساتھ مقتل میں اپنے عزیز و اقارب

کی بے کفن نعشوں پر ایک نگاہ غلط انداز والی اور وہاں سے روانہ ہو کر خراماں خراماں ایک طرف کو چل دئیے — چلتے چلتے وہ ایک درخت کے پاس جا پہنچے اور اُس کے سایہ میں پڑ کر سو رہے بہت جلد وہاں ایک شکاری کا گزر ہوا۔ اُس نے دور سے گھنی پتلیوں کی آڑ میں اُن کو پڑا ہوا دیکھ کر خیال کیا کہ کوئی شکار ہے۔ فوراً شست باندہ کر نشانہ لگایا —

افسوس وہاں گھنے جنگل میں ایک سبز پوش درخت کے نیچے اس فخر روزگار نے زخم کاری کھایا اور ساری دنیا سے الگ تھلک ایک گوشہ میں اپنی جان شیریں خالق جہاں آفرین کے سپرد کی۔ ہاے وہ شخص جس کی فسوں گر بانسلی کی دلربا تانوں نے گوئل اور بندرابن کی کم سن زاہد غریب گوپیوں کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ شخص جس کی خوش فعلیاں گوالوں کی تفریح کا باعث تھیں۔ وہ شخص جس کا تبسم نیک مردوں کے ظلمت کدوں کو سہر جہاں تاب کی مانند ضیا بخشتا تھا۔ وہ شخص جس کی قہر آلودہ نگاہ دوار کا، متھرا، ہستنا پور بلکہ کل بدکاران ہند کے دلوں پر بجلیاں گراتی تھی۔ وہ شخص جس کے جلوے کی جھلکیوں سے اُس تاریک زمانہ میں بنی نوع انسان کی نظروں کو چکا چونہ لگ گئی تھی جس تاریک پردے سے شمع ہدایت ہات میں لیکر ظاہر ہوا تھا یکایک اسی میں غائب ہو گیا —



## تعلیمات سری کرشن



صفحات بالا میں ہم نے سری کرشن کی زندگی کے صرف بعض خاص سوانح بیان کئے ہیں - ہم افسوس کرتے ہیں کہ اس مختصر رسالہ میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ ان کی تعلیمات کو مشرح درج کریں - صرف یہی ایسے رہنما گذرے ہیں جنہوں نے مذہبی وعظ کا پیشہ اختیار نہیں کیا ہے ان کی ماند و بود دنیا داروں کی سی تھی - اور طرز عمل بالکل رسہیات زمانہ کے مطابق تھا - لیکن انہوں نے اپنے واقعات زندگی سے فعل ، علم اور عشق کا کہاں ثابت کر دکھایا - بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کی حیات اور ان کا عہد ہی جیتا جاگتا وعظ - پر جوش دینی نصاب اور خدائے غفور الرحیم کا نمایاں ظہور تھا - انہوں نے اپنی طرز معاشرت سے ظاہر کیا کہ کامل اور خوش حال آدمی کس کو کہتے ہیں - اور بتایا کہ بغیر کسی مذہب کے پیرو ہونے اور رسوم دینی ادا کرنے کے صرف دینوں فرائض کی انجام دہی سے کس طرح نجات حاصل ہوسکتی ہے -

لیکن انہوں نے وعظ اس طرح کیا کہ جو لوگ ان کے پاس آئے ان کو ہدایتیں دیں اور اپنے احباب اور



رشتہ داروں کو بتایا کہ سچا مذہب کیا ہے۔ وہ روز سورہ کی زندگی میں الہامی اور آسمانی باتیں بھی بیان کرتے تھے۔ ہم ان سب متفرق اقوال کا مجموعہ ایک ایسی کتاب میں پاتے ہیں جو آج دنیا کی تمام کتابوں میں اعلیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ اس کا نام بھگوت گیتا (کلام ربانی) ہے۔

وہ سچے ایہاندار ہندوؤں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ زمانہ کے تمام موجودہ امور دینی اور اصول مذہبی کی پیروی کرتے اور برہمن علماء کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ انہوں نے قدیم مذہب کے تہانے اور اس کی جگہ اپنا نیا مذہب قائم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ان کا قول تھا کہ نئے مذہب اختیار کرنے سے اپنے ہی مذہب پر قائم رہنا بہتر ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی فضیلت و خوبی کا محتاج ہو۔

سری کرشن کے فضائل و کمالات کی شہرت کے زمانے میں ہندوستان میں فلسفیوں کے تین فرقے نہایت معزز سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے سانکھہ والوں نے عالم کی ابتدا نشو و نما اور کمال کی تشریح کر کے تلقین کیا کہ علم الیقین انسان کو دنیوی تکالیف اور نا پائدار ہستی کے علائق سے رہائی دیتا ہے۔ جوگ مارگ والوں نے بیان کیا کہ علم الیقین کے معنی علم الہی کے ہیں اور یہ علم فقط تصور اور ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ویدانیتوں کا قول تھا کہ انسان کی ذات صدور خالق عالم و عالمیان کی ذات قدسی صفات سے ہے۔ پس انسان کو اپنے مصدر کا جاننا لا بد ہے۔ سری کرشن نے ان تینوں فرقوں میں سے کسی فریق کے مسائل پر حجت نہیں کی

بلکہ سب کی تائید کی فقط ان فلاسفوں کے سلسلوں میں جو جو کڑیاں کم تھیں وہ مہیا کر دیں۔ غرض انہوں نے نہ کوئی نیا فلسفہ ایجاد کیا اور نہ نئے الہیات کے وعظ کہے۔ کل اصول موجود تھے ان پر جہل کی تاریکی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ یا یوں سمجھو کہ ایک اندھی کو تھری مہوں بہت سی عجوبہ اور فادر چیزیں موجود تو تھیں مگر وہ بسبب اکتیام روشنی یا چشم بصیرت کے انسان کی نظر سے ارجہل رہیں۔ یہی حال اس وقت دنیا اور بنی آدم کا تھا۔ یعنی انسان کی خوش حالی کے دنیا میں سب سامان موجود تھے مگر ہر طرف ایسی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ باجود قربت انسان اپنی خوشی کے ذرائع نہ تھوٹتا سکتا تھا۔ سری کرشن نے اس ظلمت کدہ میں ایک روشن شمع رکھ کر انسانوں کو وہی چیزیں مشاہدہ کرائیں جن کے دیکھنے سے وہ محروم تھے۔ کوئی نئی ایجاد نہیں کی۔ ہندوں کو اپنے ذاسی فلاسفہ کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ علم الیقین نجات کا ذریعہ ہے۔ مگر وہ کیا ہے اور اس کے حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب برہمن یوں دیتے تھے کہ جگ اور جوگ اس علم کے حصول کے ذریعے ہیں۔ سانکھہ والے فلسفی کہتے تھے ”مصائب انسانی کی اصلیت دریافت کر کے اُن سے نجات پانا علم الیقین کا درجہ ہے“۔ جوگ مارگ کے فلسفیوں کا مقولہ تھا ”ریاضتہاے جوگ سے خدا شناسی کا مرتبہ حاصل کرنا علم الیقین ہے“ اور ویدانتی بیان کرتے تھے کہ ”اپنی ذات اور خدا کو ایک جاننا یعنی مقام شہود علم الیقین ہے“ الغرض اس سچے علم کے حاصل کرنے کے لئے چند وسائل کی خواہ وہ کچھ ہی ہوں ضرور حاجت تھی۔ لیکن ان ذرائع و وسائل کی بابت بہت بڑا

اختلاف تھا۔ اور اس اصلی اصول کے مطابح پر تاریکی کی گونجا چھائی ہوئی تھی۔ سری کرشن نے اس ظلمت کو دور کر کے راہ خدا روشن کر دی اور طریق عمل بتایا۔ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ سری کرشن کی ہدایات اور تعلیمات کا معجزہ بھگوت گیتا میں پایا جاتا ہے۔ مگر یہاں یہ ظاہر کر دینا مناسب ہو گا کہ گیتا کس کو کہتے ہیں۔ گیتا سنسکرت کی نظم بدیع مہا بھارت کا قصہ در قصہ ہے۔ اس کتاب میں وہ ہدایات اور نصائح مند رج ہیں جو سری کرشن نے ارجن کو کرک شیترا کے میدان میں اس وقت کی تھیں جب اس نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ جنگ کرنے سے قطعی انکار کیا تھا۔ ہم سے اگلے فاک ذیلیا مصنفین اور مشیایا گرانہایہ اس معاملہ میں بہت کچھ خامہ فرسائی کر چکے ہیں پس ہم یہاں اس امر کی بحث ہی نہ کریں گے کہ آیا گیتا در اصل اس سے اعلیٰ نظم رزمیہ کا حصہ ہے یا بعد کا اضافہ ہدایات و نصائح مندرجہ گیتا فی الحقیقت سری کرشن کی تلقینیں ہیں یا مصنفین کی قوت متخیلہ کا نتیجہ۔ اور سری کرشن کو اس حصہ نظم سے کچھ علاقہ بھی ہے یا نہیں۔ کچھ ہی ہو مگر یہ کہا جاتا ہے کہ ہدایات و نصائح مذکورہ سری کرشن کی بیان کی ہوئی ہیں۔ خود مہا بھارت کے عالی قدر مصنف نے سری کرشن کو گیتا کا متکلم قرار دیا ہے اور سلف سے خلف تک عموماً ہندوں کا یہ عقیدہ ہے نیز سری کرشن کے واقعات زندگی پر نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان کی پر ماجرا حیات کے حالات مسائل و ملفوظات گیتا میں موجود ہیں۔ جس وقت دونوں فوجیں میدان جنگ میں معرکہ آرائی کے لئے صف بہ صف کھڑی ہوئیں تو ارجن نے

اپنے دوست سوری کرشن سے کہا کہ سیرا رتھہ ایسے مقام پر کھڑا کیا جاوے جہاں سے میں لڑنے والی فوجوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ انہوں نے اس درخواست کو پورا کیا۔ اس وقت ارجن نے غل مچا کر کہا۔ ”اے سوری کرشن ان یگانوں کو دیکھ کر میرا مونہہ خشک ہوا جاتا ہے۔ میرا بدن پھنکا جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جسم تھراتا ہے۔ عضو عضو جدا ہوا جاتا ہے۔ کہاں ہات سے گری جاتی ہے۔ مجھے میں اب کھڑے ہونے کی بالکل سکت نہیں۔ مجھے چکر آرہے ہیں۔ یہ شگون بہت برے معلوم ہوتے ہیں ہائے اپنے عزیز و یگانوں کو جنگ میں قتل کر کے مجھے کونسی خوشی اور بہتری حاصل ہو گی میں فتح یابی سے باز آیا۔ اب مجھے نہ ملک گیری کی آرزو ہے نہ عیش و جمیش کی تھنڈا۔ اُن ہم جن کے لئے بادشاہت کی خواہش رکھتے ہیں وہی یہاں اپنے جان و مال پر خاک ڈالے لڑنے کے لئے اسادہ کھڑے ہیں۔ ان میں استاد شاگرد۔ باپ بیٹے۔ دادا پوتے ماسوں بھانجے۔ خسر داماد۔ سالے بہنوئی۔ سبھی ہیں۔ مجھے عقبی کی سلطنت مل جائے تب بھی میں ان کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ خواہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں۔ پھر دنیا کی بادشاہی کی کیا اصل و حقیقت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جہانداری کی طمع سے اپنے یگانوں کے مارتالہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ آہ، ہم کیسے کذاب کہیوں کے مرتکب ہیں! اے سوری کرشن میں آپ کا مرید ہوا۔ فرمائیے میرے حق میں کونسی بات مفید ہو گی“

یہ ارجن کے دلی خیالات کی نہایت عہدہ تصویر ہے۔ جس کی نسبت اسید کیجاتی تھی کہ وہ تمام مانی ہوئی مذہبوں اور اخلاقی نیکیوں کو پامال کر کے ہر قسم کے تسلیم

کردہ گناہ اور بد کاریوں کا مرتکب ہوگا۔ ناپائدار دنیا کی گزری میں ہر مرد و زن کے دل کی کیفیت کبھی قدم قدم پر ایسی ہی ہو جایا کرتی ہے۔ کیونکہ بغیر کسی تعلیم کے نیک و بد کی تمیز سخت دشوار ہے۔ ممکن ہے کہ جو بات ایک شخص کے لئے اچھی ہے دوسرے کے حق میں بری ہو اور جو چیز آج اچھی ہے کل بری ہو جائے۔ اس لئے آرزو مندانہ وہ کسی رہبر کو تھوکتا ہے اور ارجن کی طرح پکار کر کہتا ہے۔ ” فرمائے میرے حق میں کونسی بات یقیناً مفید ہوگی۔ “ پس ایسی حالت میں سری کرشن بعض بالکل نئے اصول دینی اختراع نہ فرماتے اور اخلاقی دلائل سے ان کو صحیح ثابت نہ کرتے تو کوئی ذی ہوش اور سلیم الطبع شخص یوں عقلی اور اخلاقی خوبیوں کا خون کر کے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے رضامند نہ ہوتا۔ جن اصول و مسائل دینیہ نے ارجن کے شکوک رفع کئے انہیں نے کل بنی نوع انسان کے دلوں کو تسکین دی —

سری کرشن نے ارجن کے سوالات کے جواب میں فرمایا ” تم ایسے شخصوں کے لئے رنج و افسوس کرتے ہو جو بالکل اس کے مستحق نہیں ہیں۔ ذی علم نہ زندوں کا رنج کھاتے ہیں نہ مردوں کا غم کرتے ہیں۔ نہ کبھی میرا وجود تھا نہ تمہارا اور نہ کسی حکمراں کا اسی طرح ہم میں سے کبھی کوئی معدوم بھی نہ ہوا۔ جو روح کو قاتل تھراتا ہے یا مقتول سمجھتا ہے یقیناً عقل سے خالی اور سمجھ سے عاری ہے۔ وہ نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے نہ خود ہلاک ہوتی ہے۔ نہ کبھی پیدا ہوتی ہے نہ مرتی ہے۔ پس روح کو ان صفات

سے موصوف سہجہکر تم کو ہرگز کسی بات کا رنج و غم نہ کرنا چاہئے۔

اسی بنیاد پر سری کرشن اپنے فلسفہ کی عمارت اُٹھاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ”دنیا عالم مثال ہے یا عالم برزخ کا سایہ ہے۔ اس نمودار سایہ کے اُس طرف ایک اور دنیا ہے جو لازوال۔ غیر مبدل۔ پیوستہ۔ پائدار۔ مستحکم اور ابدی ہے۔ یہ عالم مثال ایک سراب ہے جس میں ذاتی اصلیت اور پائداری مطلق نہیں ہے۔ پس تمہارے دنیوی افعال سراپی تبدیلیاں ہیں اور ان کا اثر عالم برزخ پر کچھ نہیں پڑسکتا تمہیں جو پسند ہو وہ کرو تمہارا فعل اس حیرت انگیز عالم کے ائے کچھ نفع و نقصان نہیں کرسکتا۔ تمہیں رنج محسوس ہوتا ہے کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ تمہارے افعال سچے عالم برزخ پر موثر ہوں گے لیکن یہ خیالات اور عقائد بالکل خام اور باطل ہیں تمہاری ہستی مثل خواب کے ہے۔“

وہ فرماتے ہیں۔ ”جس کا دل خودبینی کے دھوکے میں پڑا ہے وہ اپنے ہی آپ کو ہر فعل کا فاعل خیال کرتا ہے۔ گوہر کام ہر حالت میں قدرتی خاصیتوں سے انجام پاتا ہے کیونکہ عالم موجودات قدرت کاملہ سے وابستہ ہے۔ پس اے ارجن جو کام تم مغالطہ کی وجہ سے کرنا نہیں چاہتے اُسے بلا قصد و ارادہ کرنے لگو گے۔ ہر متنفس کے دل میں مالک حقیقی جلوہ گرہے اور وہ اپنی قدرت سے اُسے ہر وقت اس طرح متحرک رکھتا ہے گویا کوئی چلا رہا ہو۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہے کہ تمہاری ہستی فی نقشہ سایہ کی مانند ہے۔ تم کوئی کام خود نہیں کرتے۔ تمہارے کاموں کی فاعل کوئی اور ہی ہستی



ہے جسے تم خدا کہتے ہو مگر تم اپنی خود بینی کے پھیر میں اپنے آپ کو فاعل جانتے ہو اور یہ بڑی غلطی ہے —  
 یہ عالم برزخ اور عالم مثال کی سچی حقیقت ہے - عالم برزخ لازوال - غیر تبدیل پیوستہ - پائدار اور مستحکم - بر خلاف اس کے عالم مثال تبدیل - ناپائدار اور محدود وغیرہ ہر عالم برزخ میں تمام چیزیں خوبصورت - عمدہ - خالص - خوشنما اور خدائی ہیں - مگر عالم مثال میں سب چیزیں - عمدہ خوبصورت - فرحت بخش اور خالص نہیں ہیں —

تو ہر عالم مثال میں مصیبت بد کرداری - جرم اور گناہ کیوں کر پیدا ہوتے ہیں ذاتبادل برداشت تکالیف - مصائب - گریہ و شیون اور ہرقسم کی بدی شیطنت بدنانی اور بد کرداری کا کیا سبب ہے؟ - مغالطہ مایا کی وجہ سے انسان عالم مثال کی جھوٹی چیزوں کو سچا سمجھتا ہے ، اور اس حالت خواب میں اسے ہر خیالی چیز حقیقی معلوم ہوتی ہے - یعنی مغالطہ تکلیف اور مصیبت کا باعث ہے - یہی بھول ہنی نوع انسان کی جہالت اور نادانی ہے - یہی مایا کی پیدا کی ہوئی غفلت ہے اور یہی انسانی روح کی حالت خواب ہے —

اس دقیق مسئلہ کو سمجھانے کے لئے ہم تھوڑی دیر کو اصلی - پائدار - لازوال اور مستحکم عالم برزخ سے قطع نظر کر کے ناپائدار - تبدیل - بے ہود اور جھوٹے عالم مثال کو سچی دنیا مانے لیتے ہیں - مگر ناظرین اس امر کو فراموش نہ کریں کہ عالم مثال کی ہستی خواب کی مانند ہے - جب تک انسان پر خواب طاری رہتا ہے اسے اس کا کذب معلوم نہیں ہوتا اور اس

حالت کو سچا جانتا ہے ۔ اسی طرح اس مغالطہ میں بہنسا  
ہوا انسان عالم مثال کو برحق سمجھتا ہے ۔ یعنی مغالطہ  
کی وجہ سے دنیا سچی معلوم ہوتی ہے ۔

اب یہ سوال ہے کہ زندگی کیا چیز ہے ؟ حیات انسانی  
افعال ظاہری اور باطنی کا سلسلہ ہے ۔ افعال کے بغیر  
زندگی قائم نہیں رہ سکتی ۔ افعال سے نتائج اور نتائج  
سے نئے افعال پیدا ہوتے ہیں ۔ یوں مغالطہ میں پڑے  
ہوئے انسان کی موت زیست کا سلسلہ دراز ابد تک قائم  
رہتا ہے اگر ہم کسی آدمی کی حالت پر غور کریں تو  
ثابت ہوگا کہ اس کا وجود اصلی نہیں بلکہ کسی شخص  
ما سبق کے افعال کا نتیجہ ہے ۔ انسان کے مرنے کے بعد اس  
کے افعال کے نتائج باقی رہتے ہیں اور وہ دوسرا انسان  
پہا کر دیتے ہیں ۔

مغالطہ ( مایا ) انسان کو خالق کرتا ہے ۔ انسان سے افعال سرزد  
ہوتے ہیں افعال سے نتائج اور نتائج سے پھر انسان پیدا ہوتا ہے ۔  
وقس ہائی ہذا یہی سلسلہ دراز ابد تک جاری رہتا ہے ۔  
یہی فلسفہ ہے جسے سری کرشن نے ایجاں یا شاید تسلیم  
کیا ۔ کیوں کہ ہم کو یقین ہے کہ یہی یا اس کے مثل  
کوئی اور فلسفہ ان کے ظہور سے قبل بھی موجود تھا ۔  
ہم اس فلسفہ کو مانیں تو ہمارا رستہ بہت صاف  
ہوجاتا ہے ۔ ایک طرف خوش حال ۔ خوبصورت ۔ نیک ۔  
لا زوال ۔ غیر مبدل ۔ مستحکم عالم برزخ ۔ اور دوسری  
طرف بد قسمت ۔ نجس ۔ بد ۔ نا پائدار ۔ اور متغیر عالم  
مثال کو رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عالم  
اول الذکر ہماری حالت بیداری اور عالم آخر الذکر حالت خواب  
ہے ۔ اصل میں ہم غیر مبدل ' لا زوال ' خوبصورت '

نیک اور خوش قسمت ہیں ۔ مگر مغالطہ کے سبب سے بد نصیب مبدل ناپاک اور نکبت زدہ ہو گئے ہیں ۔ اس لئے یہ ہمارا بدیہی فرض ہو گیا کہ ہم اس خواب سے بیدار ہوں یعنی مغالطہ کو دور کر دیں ۔ ہم اس مرحلہ کو طے کرائیں گے تو ہم غیر مبدل اور خوش حال ہو جائیں گے اور وہ حالت جسے نجات کہتے ہیں ہم کو حاصل ہو جائے گی ۔

مغالطہ سے خودی اور خود بینی پیدا ہوتی ہے اور دلی مغالطہ ہی ان سب علتوں کی جڑ ہے ۔ یہی انسان کے دل میں اُس کی ہستی کا خیال فاسد پیدا کرتا ہے ۔ جب وہ اپنی زندگی کو محسوس کرتا ہے تو اپنے گرد و پیش ایک جیتی جاگتی دنیا دیکھتا ہے ۔ پس وہ اپنے وجود اور دنیا کو خوب پیدا کر لیتا ہے اُسے یہ سن کر ہت دنیا بیشک اُس وقت تک سچی اور اعلیٰ معلوم ہوگی جب تک وہ اپنی ہستی کو مغالطہ کی وجہ سے سچا سمجھتا ہے ۔ مگر ہستی کیوں کر محسوس ہوتی ہے ؟ جو اس ظاہری یا باطنی سے انسان محسوس کرتا ہے کہ اُس کے افعال کا صدور اُس کی ذات سے ہے ۔ جب ہم کسی جسم کو بے حس و حرکت پاتے ہیں تو اُسے نعش کہتے ہیں ۔ لیکن انسان ذو جسدین ہے ۔ وہ جسم رکھتا ہے ۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی یا روحانی ۔ جسم روحانی یا غیر مادی جسم ظاہری یا مادی کا حاوی ہے یعنی وہ اُسے بذاتہ اور سا نچہ میں تھالتا ہے اور اُس کے ذاتی افعال بھی ہیں ۔ جس طرح جسم مادی حس و حرکت بند ہونے سے معطل ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح جسم روحانی بھی صدور فعل کے موقوف ہونے سے معدوم ہو جاتا ہے ۔

لہذا اصدار افعال ہستی کا وجود ہے انسان منفی فعل برابر ہے صفر کے یعنی انسان کو مفروق منہ اور فعل کو مفروق قرار دیں تو ان دونوں کا حاصل تفریق کچھ نہوگا۔ پس انسانی وجود کی بقا افعال پر منحصر ہے۔ گو یہ افعال مغالطہ کے نتائج یا عالم خواب کے افعال ہوں تاہم وہ فعل ہی ہیں لہذا اُن کے نتائج بھی ہیں مگر ان نتائج سے حالت خواب کے نتائج مراد ہیں۔ ہر فعل کے لئے ایک نتیجہ مخصوص ہوتا ہے۔ انسانی افعال ہمیشہ اپنے نتیجوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ اور یہ نتائج پھر نئے افعال پیدا کرتے ہیں۔ یونہی یہ سلسلہ منتہاے بقا تک جاری رہتا ہے۔ انسان مرجائے یا اپنے جسم مادی سے رحلت کرے مگر اُس کے باطنی افعال قائم رہیں گے اور یقیناً کسی اور روحانی یا مادی پیدائش کا ذریعہ ہوں گے۔ یا کسی دیگر طریقہ پر مؤثر ہونگے یوں مغالطہ جو انسان کو پیدا کرے اُسے اُس کی شخصی ہستی دکھاتا ہے۔ یوم القیام تک اُس کو زندہ رکھتا و مارتا ہے۔ انسان بہت سی دفعہ مرتا اور زندہ ہوتا ہے۔ بہت سے رنج و آرام اُٹھاتا ہے اور بہت سے انقلاب دیکھتا ہے۔ جب تک مغالطہ کا بہوت اُس پر سوار رہتا ہے وہ شخصی ہستی کے خواب سے بیدار نہیں ہوتا۔ فی الحقیقت انسان حیات و مہات اور تئاسخ کا پابند نہیں لیکن مغالطہ کی وجہ سے جب تک خواب دنیا اُس پر طاری ہے حیات و مہات اور تئاسخ لابدی ہے۔ یہ بیان کرنا ضرور نہیں کہ مغالطہ کے دام سے رہائی پانا بالکل آسان نہیں۔ مگر کیا اپنی ہستی کو فراموش کر سکتا ہے؟ کیا دلی مغالطہ رفع ہو سکتا اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر انسان اپنی سچی اور

اصل ہستی کو دیکھ سکتا ہے :  
 ساری کرشمی نے فرمایا۔ "حلقہ روحانی حاصل کرنے سے جس کا  
 نتیجہ زہد ہو گا انسان اپنی ظاہری ہستی فراموش  
 کر کے سچی اور اصلی ہستی دیکھ سکتا ہے۔ جو دانشور  
 دولت زہد و عشق حاصل کر لیتے ہیں وہ ایسے مقام پر  
 پہنچ جاتے ہیں جہاں رنج و تکلیف بالکل نہیں ہے۔ اور  
 جس وقت دل ریاض تصور سے لٹکیا سے مضبوط اور  
 مستقل ہو جاتا ہے یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ —  
 اس کے بعد ساری کرشمی نے اس قسم کے خاص کرنے کے مختلف  
 فرائض و وسائل بیان کیے۔ اور تصور ریاضت کے حوالہ سے زہد  
 وغیرہ کے حالات ظاہر کیے۔ یہ سمجھنا کہ مفہوم ہستی کے  
 حاصل کرنے سے رفع ہو سکتا ہے۔ ساری کرشمی کے بعد  
 کیا ہوا نہ تھا۔ بلکہ اکثر اہل علم نے ان کے تصور سے  
 قبل بھی ایسا ہی کہا تھا۔ پتلی سے جس کی تعصیر کو دولت  
 پر اختلاف تھا۔ تین مسامد دہریئے میں رفت رائج تھی۔ یعنی  
 تصور نفس کشی اور زہد باطنی۔ ساری کرشمی نے ان تینوں  
 کو قبول کیا۔ مگر جب رنج نے اقتدار کیا۔ کہ زہد  
 باطنی کو افعال پر فضیلت ہے اور افعال کو غصہ اور  
 ضرورت پر اس قدر نیوں زور دیا گیا۔ اس وقت  
 ساری کرشمی نے فرمایا۔ "صرف افعال ہر نے ذریعہ سے  
 انسان کو افعال سے آزاد کر سکتی ہے" بغیر اس  
 کے انسان ایک لٹھی جیسی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس  
 ایسے زہد کو آریح ہے جو افعال سے حاصل ہوا ہے۔ —  
 حصول زہد باطنی کے لئے یہ کیا افعال کرنے چاہئیں؟  
 ساری کرشمی نے جواب دیا۔ "اپنے فرائض لازمی اور  
 فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی کے فرائض ادا کرتا ہے

اور اجر کی خواہش نہ رکھ کر انہیں منعم حقیقی کے  
 پیر کرنا ہے۔ وہ دنیا کی جھیل میں کنول کے پھول کی  
 طرح تیرتا ہے اور اُسے مدوجزر کے تھپڑوں سے ذرا بھی  
 گزند نہیں پہنچتا۔

انسان کو اپنے فرائض ادا کرنا چاہئے خواہ وہ ناگوار  
 ہوں یا خوش آئند۔ بد ہوں یا نیک۔ جو شخص اپنا  
 کار خدمت جو قانون قدرت نے اس کے لئے معین کیا ہے  
 انجام دیتا ہے وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں۔ اس لئے  
 انسان کو اُن فرائض کے ادا کرنے سے جن کے لئے وہ پیدا  
 کیا گیا ہے پہلو تھی نہ کرنا چاہئے گو سراسر غلطیوں  
 سے مہلو ہوں۔ انسانی فہم و ادراک سہو و خطا سے مرکب  
 ہے۔ جس طرح آگ کے ساتھ دھواں ہے اسی طرح عقل  
 کے ساتھ غلطیاں ہیں۔ انسانی سمجھ کے لئے مذہب  
 نہایت ادق مضہون خیال کیا جاتا ہے۔ دنیا و عقبی میں  
 خوش حال رہنا۔ ابدی راحت اور روحانی مسرت حاصل  
 کرنا۔ بہشت و نجات کا ملنا انسان کے لئے یہ مشکل  
 مسئلے تھے۔ نجات حاصل کرنے کے جو طریقے معلوم تھے یا  
 ایجاب ہوئے۔ اُن کا اختیار کرنا اس قدر دشوار تھا کہ  
 انسان رات بہشت کی منزلیں طے نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ  
 یہ بات ضرب المثل ہو گئی تھی کہ بہشت کا رستہ پوچار  
 ہے۔ اس امر کا بیان کرنا سری کرشن کے حصہ میں آیا  
 کہ نجات راحت دائی اور مسرت روحانی کا حاصل کرنا  
 بالکل سہل ہے۔ جس قدر آسانی سے پانی اور ہوا  
 دستیاب ہوتے ہیں ویسے ہی یہ چیزیں بھی سہل الوصول  
 ہیں۔ جس حبیب مطلق نے انسان کی زندگی کے لئے ہوا  
 اور پانی ہر جگہ مہیا کر دیئے ہیں اسی نے نجات کے طریقے



بھی آسان رکھے ہیں۔ پس حصول نجات کے لئے اپنے طریقہ سے تجاوز کرنا اور دشواریاں فاسدکن مسالک کا اختیار کرنا ضرور نہیں۔ صرف اپنے فرائض کا ادا کرنا ہی کافی ہے اور اسی سے نجات ہو جائے گی۔

یہ سری کرشن کی انوکھی اور اعلیٰ تعلیم تھی ان کا فرمان واجب الاذعان یہی تھا کہ ”اپنے فرائض ادا کرو“ مگر وہ خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہوں ان کی پر ماجرا حیات کا ہر فعل خاص اور پاک تھا اور جو کام وہ کرتے تھے اُس میں کچھ نہ کچھ نیکی ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے، پانڈو کے ہاں اُن کا اکلوتا پوتا مردہ پیدا ہوا اور سری کرشن سے اس کے قالب میں تازہ روح پھونکنے کی التجا کی گئی تو اس وقت انہوں نے فرمایا ”میں نے عہر بھر میں کوئی برا اور ناپاک کام نہ کیا ہو تو یہ بچہ زندہ ہو جائے“۔

بچہ فوراً زندہ ہو گیا۔

انسانی فرائض ہمیشہ کسی نہ کسی شرط سے مشروط ہوا کرتے ہیں اپنے چچازاد بھائیوں کو اُن کے واجبی حقوق عطا کرنا درجو دھن کا فرض تھا۔ وہ ادائے فرض میں قاصر رہا۔ تو اپنے استحقاق کے لئے جنگ کرنا پانڈو کا فرض ہوا۔ اور فتحیابی کی تدابیر سوچنا بھی ان پر فرض تھا۔ جنگ کو روکنا درجو دھن کا فرض تھا اور جنگ میں فتحیاب ہونا ارجن کا فرض تھا۔ مگر انسان کو اپنے لازمی اور سچے فرائض کی تہیز کیونکر ہو؟ سری کرشن نے فرمایا۔ ”حصول علم اور مناسب تعلیم سے یا گنجیلہ خرد عقلاے قدیم یعنی شاستروں کے مطالعہ سے۔ اور فرمایا کہ اپنے فرائض خواہ وہ کچھ ہی

ہو ادا کرو اور اُن کے برے بھلے ہونے کا خیال نہ کر کے اُن کا ادا کرنا بھی واجب جانو۔

یہ تو مانا کہ ہمارے افعال (ادائے فرائض ذاتی) کا اثر لازوال اور مستحکم عالم برزخ پر کچھ بھی نہیں پڑتا اور یہ عالم خواب کے فعال ہیں جب تک ہم اپنی ہنستی کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ افعال ہم کو دنیا میں مصیبت زدہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ یہی افعال ہم کو ابدالدھر تک خراب و خستہ رکھیں گے۔ مگر ان کی ایذا رسانی اور پردرد تاثیرات کس طرح دور ہوں؟ سری کرشن نے فرمایا۔ ”تہارا ہر فعل خواہشات نفع ذاتی سے پاک ہو۔ تم کبھی نتیجہٴ اخیر پر نظر نہ رکھو۔ اور اپنے افعال کا اجر یا صلہ ملنے کی تہنا نہ کرو۔“

اپنی جہاد تعلیمات کا مطلب سری کرشن نے چند الفاظ میں یوں سہجایا ہے ”جو بشر اپنے افعال کا ثمرہ پانے کی آرزو نہ رکھ کر فرائض منصبی ادا کرتا ہے وہی زاہد و عابد ہے۔“ یہ قول ظاہر کرتا ہے کہ تم کو بلا ارادہ اور خواہش ذاتی کے کام کرنا چاہئے۔ مگر ارادہ بلا خواہشات اور اغراض کے ہو نہیں سکتا۔ اگر یہ ممکن ہو سکے تو تمہارے لئے اس طرح کام کرنے سے نیک و بد عذاب و ثواب کچھ نہ ہوگا۔ انہوں نے خود فرمایا کہ افعال مجھے ناپاک نہیں بناتے۔ کیونکہ مجھے ان کا ثمرہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم فرائض ادا کریں لیکن ہمارے افعال اولاً اغراض و خواہشات سے مبرا ہوں اور ثانیاً نیک و اطہر ہوں۔ مگر ایسے افعال کون شخص

کر سکتا ہے —

”وہ شخص جس کا دل (جو عالم مثال کی ماہیت کا مرکز ہے) سردہ ہو گیا ہے۔ جو اس ظاہری دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اصلی دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جو مغالطہ کے خواب سے بیدار ہو گیا ہے۔“ اُس کے نزدیک جملہ افعال بلا نتائج یا خواب و خیال کی مانند ہیں وہ شخص مثل ایسے آسمان کے ہے جو ہر گھڑی مختلف جہاکیاں دکھاتا۔ فٹی فٹی شکلیں اختیار کرتا۔ اور طرح طرح کے رنگ بدلتا ہے۔ مگر کسی حالت سے متاثر نہیں ہوتا —

گیتا میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سری کرشن کی تمام بحث و حجت ارجن پر عالم مثال کا کذب اور بے ثبوتی ثابت کرنے میں بے اثر ثابت ہوئی اور اس باب میں اُن کے مساعی مشکور نہوئے تو مجبور ہو کر انہوں نے عالم برزخ کا مشاہدہ رایا جس کو دیکھ کر ارجن کے دل سے مغالطہ دور ہوا اور فوراً اس دنیا کا غیر حقیقی ہونا اُس کی سوجھ میں آ گیا —

بلا خواہش و آرزو کام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے افعال کو غیر موثر بنائیں یعنی اُن میں اغراض و مقاصد دای نہوں۔ بیشک عالم مثال کا مغالطہ اور اُس کی پیدا کی ہوئی خودی اور خود بینی دور کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مغالطہ سے شخصیت پیدا ہوتی ہے اور شخصیت سے فعل۔ پس اگر ہمارے افعال سے نتائج نہ پیدا ہوں تو اُن سے آئندہ بھی افعال مستخرج نہ ہوں گے۔ یوں اُن کا خاتمہ ہو جائیگا لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ —

ہم فرداً فرداً افعال انسانی کا معائنہ کریں تو ہم بالامکان کوئی فعل ایسا نہ پائیں گے جس کے ساتھ کوئی غرض نہ لگی ہو۔ یہ غرض خواہ کسی نتیجہ کے لئے خواہ کسی ثمرہ کے واسطے ہو۔ اصدار فعل بغیر مافی الضمیر کے ناممکن ہے جب تک دل قائم ہے اغراض و خواہشات اُس میں ضرور ہوں گی۔ سری کرشن بار بار فرماتے ہیں۔ ” جو فعل تمہیں پسند ہو وہ کرو مگر اُس کے نتیجہ کی خواہش نہ کرو۔ “ گویا در پردہ اُن کا یہ منشا ہے کہ ہم اپنے دل کو فنا کر دیں کیا درحقیقت یہ ممکن ہے؟ —

یہ امر آسان نہیں ہے کہ بلا کسی غرض یا بغیر اپنے افعال کا ثمرہ پانے کی خواہش کے ہم کوئی کام کرسکیں۔ سری کرشن فرماتے ہیں۔ ” اپنے فرائض ادا کرو مگر اُن کے ادا کرنے سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی خواہش نہ کرو۔ “ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ سری کرشن نے جواب دیا۔ ” مغالطہ دور کرنے سے۔ “ اور اُس کے انہوں نے چار جداگانہ طریقے بیان فرمائے :-

۱۔ مراقبہ یعنی دھیان۔

۲۔ ریاضتہائے جوگ۔

۳۔ استقلال عشق الہی۔

۴۔ ادائے فرائض بلا اغراض و خواہش۔

الفاظ ذیل میں سری کرشن اپنے تعلیمات کو مجھلا بیان کرتے ہیں۔ ” تم ثابت قدمی سے میرو جاذب (اول سے آخر تک گیتا میں سری کرشن نے اپنی ذات قدسی صفات کو خداے عز و جل قرار دیا ہے) اپنے خیالات کو رجوع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تو سختی عشق و عبادت

سے میری قربت حاصل کرو۔ عشق میں ثابت قدم نہ رہ سکو تو اداے فرائض میں سرگرم رہو۔ سداقی عشق سے عام بہتر ہے۔ عام پر مراقبہ یعنی تصور کرنا تو جہم ہے اور تصور پر ترک خود غرضی یا خواہشات نفسانی کو فضیلت ہے۔ کیونکہ اس سے روح کو کامل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے روح کی کامل آزادی کے لئے ذیل کے چار طریقے اس ترتیب سے بتائے ہیں۔

اول - افعال بلا خواہشات نفسانی (فرائض)

دوم - مراقبہ یا تصور (سہا دعویٰ)

سوم - ریاضتہائے جوگ۔

چہارم - استقلال عشق الہی۔

ان سب میں انہوں نے افعال یا فرائض کو فائق قرار دیا ہے۔ مگر یہ افعال ایسے ہوں جن سے ادا کرنے میں اغراض و مقاصد کچھ نہ ہوں۔

مراقبہ (تصور) ریاضتہائے جوگ اور عشق الہی کی تحصیل آسان نہیں ہے جو شخص ان تینوں طریقوں کے ذریعہ سے نجات چاہتا ہے اُسے ترک کرنا کرے عزت نشینی اختیار کرنی ہوگی۔ اور وہاں سے سخت نفس کشی کرنی اور سختی اتھانی پڑے گی اور قدر مجاہدہ اور ریاضت کے بعد بھی شاید ہزار میں ایک کامیابی ہو تو ہو۔ لیکن بلا خواہشات نفسانی افعال ادا کرنا اس قدر دشوار نہیں ہے۔ اسے نہ صرف ان کے ہر طبقہ کی ہر حالت میں کوسکتا ہے۔ لیکن اس کی انجام دہی کیونکر ممکن ہے؟

ہاں دل کی یک سوئی سے یہ عقدہ حل ہوسکتا ہے۔ سری کرشن نے ایک شے کی طرف ارجاع دل کے چند

ذرائع بیان فرماتے ہیں۔ جن میں سے زہد و طاعت الہی کو ترجیح دی ہے۔ زہد و طاعت کی دولت عشق الہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اول اول افسان کو چاہئے کہ قدرت کاملہ اور قدرتی اشیا سے عشق کرے۔ پھر اس سے تجاوز کر کے خالق قدرت کاملہ کی طرف رجوع کرے۔ فعل وہی فعل ہے جس سے صرف خدا پرستی ہو۔ کام وہی کام ہے جس سے خالق اکبر اور اس کی کائنات کی معیت پرستی ہو۔

کیا یہ ناممکن ہے۔؟ سری کرشن نے جواب دیا۔ ”نہیں“۔ اب ہم یہاں ایک فظیر سے ان کے الفاظ کی تشریح کرتے ہیں۔ عساکر برطانیہ کے سپاہی جنگ میں لڑتے ہیں تو خود بھی مارے جاتے ہیں اور ان کو بھی قتل کرتے ہیں۔ مگر یہ کام وہ بغیر کسی خواہش یا مطلب کے کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنے جنرل کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کرتے کیا ہیں۔ وہ حرکت کرتے، کوچ کرتے، دوڑتے اور بندوبستوں کے فیر کرتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ باتیں کس غرض سے کی جاتی ہیں۔ وہ کتھہ پتلیوں کی طرح جنرل کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ جو کچھ حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور اس کی بجائے آوری ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جنہیں وہ قتل کرتے ہیں ان میں اکثر ان کے عزیز و یگانے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی ان کی خواہشات ان کے اغراض و مقاصد سب ان کے جنرل کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جنرل کے حکم کی متابعت میں جو کچھ ہم کرتے ہیں اس سے ہماری فلاح۔ ملک کی رفاہ اور مقدمہ جنگ کی



بہتری متصور ہے۔ غرض ان کا دل ان کا نور ایمان اور جہلہ چیزیں ان کے جنرل کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ اس نظیر سے واضح ہے کہ بلا خواہش و اغراض کام کرنا ناممکن نہیں ہے مگر یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کسی دوسرے پر پورا بھروسہ ہو جائے۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم اپنے کردار کے جوابدہ نہیں ہمارا بھی کوئی جنرل ہے جس کے حکم کے بموجب ہم عمل کرتے ہیں اور وہی ہمارے افعال کا ذمہ دار ہے۔ ہم کو بذاتہ کسی امر میں غور و خوض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے جہلہ کاموں کی ہمارے کار ساز کو فکر ہے۔ وہ ہمیں ہمارے مفید مطلب امور کی ہدایت کرے گا۔ تو بیشک ہماری تمام دقتیں رفع ہو جائیں اور فی الواقع ہم سے افعال بلا خواہش و اغراض سرزد ہونے لگیں۔

سری کرشن کا یہ مطلب ہے کہ خدا کے ہاتھ میں اپنے آپ کو انسان کٹیہ پتلی کی طرح تصور کرے یا اپنے تئیں سپاہی اور خدا کو جنرل جانے اور اپنے دنیوی افعال کو اداے فرائض بد متابعت حکم جنرل سمجھے ایسے ایمان و عقیدہ سے عمل کرے کہ جو کام وہ کرتا ہے اس کا فاعل خدا کا کار ساز ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ "ارجن تو ہر حال میں مجھ سے (خدا سے) پناہ مانگ۔ میری ہی (خدا کی) عنایت سے تجھے اطہیمان کامل اور راحت دائمی حاصل ہوگی۔"

گو انسان اور خدا کو سپاہی اور جنرل کے ساتھ تشبیہ دینا "مناسبت اعلیٰ بد ادنیٰ ملا بست" ہے تاہم ہمارے نزدیک یہ مثال اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ انسان بلا خواہشات نفسانی و مقاصد دلی

کیونکر کام کر سکتا ہے —

سری کرشن نے بہ تکرار فرمایا - " تم اپنی نجات چاہتے ہو تو پورے طور سے مجھ پر ( خدا پر ) بھروسہ کرو - تم اپنے فرائض ادا کرنا چاہتے ہو اور تمہیں بلا خواہش و اغراض کام کرنا مقصود ہے تو مجھ کو ( خدا کو ) اپنا رہبر اور مالک کل سمجھو - اپنے فرائض ادا کرو خواہ وہ کچھ ہی ہوں - اور اپنا عقیدہ مضبوط رکھو کہ میں ( خدا ) اُن کے نتائج کا ذمہ دار ہوں - سپاہی اپنے جنرل کو دیکھ سکتا ہے - مگر انسان خدا کو چشم ظاہر میں سے نہیں دیکھ سکتا - پس جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے بلکہ ہم میں سے بہت سے جس کو محسوس بھی نہیں کر سکتے اُس پر بھروسہ کرنا امر آسان نہیں ہے - انسان کا خدا پر نا دیدہ بھروسہ کرنا کیونکر ممکن ہے ؟ یہی سوال ارجن نے جب سری کرشن سے کیا تو انہوں نے جاوہ پنہاں آشکارا کر کے دکھا دیا - اور خدا کی تصویر ارجن کے آئینہ خیال کے سامنے کر دی - مگر اب سوال یہ ہے کہ اور شخص خدا کیونکر دیکھ سکتے ہیں ؟ —

یہاں سری کرشن نے چند طریقے معرفت اور خدا ساسی کے بیان کیے ہیں - مگر ہم ان ناسانیانہ امور پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے - بالآخر انہوں نے فرمایا کہ بے دیکھے بوالے خدا کی پرستش کرنی انسان دائمی کے لئے سب سے ضروری ہے لہذا یہ شکل نمایاں پرستش کرنی چاہئے - اور وہ نمایاں شکل عالم مخلوقات ہے - انسان مخلوقات کی پرستش کیونکر کر سکتا ہے ؟ - سری کرشن نے فرمایا - " بھگتی یا عشق کے ذریعہ سے " —

سری کرشن فرماتے ہیں کہ ہمیں خدا پر پورا بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہدایت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کی پرستش شکل نمایاں میں کرنی چاہئے۔ کیونکہ دنیا کے مغالطہ کی وجہ سے انسان خدا کو بے دیکھے نہیں جان سکتا۔ جس طرح سویا ہوا آدمی اپنی خوابگاہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پس انسان کو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو اُس کے امکان میں ہو اور جس کے ذریعہ سے وہ خدا کا معتقد ہو سکے۔ عالم مثال جھوٹا نا راست اور غیر حقیقی نہیں ہے بلکہ مغالطہ کی وجہ سے وہ افسانہ کو جھوٹا اور غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے ذی فہم وہ سچا اور اصلی ہے مگر جس نظر سے انسان اُس کا مشاہدہ کرتا ہے ویسا نہیں ہے سری کرشن فرماتے ہیں - ”عالم مخلوقات اصل میں ویسا نہیں ہے جیسا انسان اُس کو سمجھتا ہے تھم رہا ہوتا اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ عالم مثال کو مغالطہ کی وجہ سے افسانہ کا پیدا کیا ہوا ہو مگر وہ خدا کی شکل نمایاں ضرور ہے۔ یعنی وہ شکل جس میں خدا کو انسان اپنی حالت خواب میں دیکھ سکتا ہے۔“

خداے حقیقی کو جاننا مغالطہ میں پڑے ہوئے انسان ضعیف البیان کے امکان سے خارج ہے۔

اُسے کون دیکھ سکتا نہ یگانہ ہے وہ یکتا

جو درئی کی بوہر ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

لہذا قدرت کاملہ یعنی عالم موجودات کو اپنا خدا ماننا

چاہئے۔ خدا نہ سہی تو خدا کی شکل ظہوری سہی۔

انسان قدرت کاملہ کا نیونکر معتقد ہو سکتا ہے؟

کیا یہ امر درحقیقت ممکن ہے؟ ہاں ممکن ہے۔

سوی کرشن نے فرمایا ” انسان بھگتی ( عشق ) سے خدا ( قدرت کاملہ ) پر ایمان لا کر بھروسہ کر سکتا ہے “ —

بھگتی کیا ہے ؟ بھگتی سے ہم کو وہ معنی نہ سمجھنا چاہئے جو ہم عشق سے سمجھتے ہیں بھگتی سے عشق الہی مع استعجاب و تحسین و تبارک و انحصار مراد ہے ۔ بھگتی انسانی دل کی کل احسن و اعلیٰ صفتوں کا مجموعہ ہے ۔ کیا انسان ایسے عشق سے فیچر ( قدرت کاملہ ) کا عاشق ہو سکتا ہے ؟ ہاں ہو سکتا ہے —

جب ایک نوجوان آدمی کسی نوخیز ناظورہ زاہد فریب کے حسن و جہال کو دیکھ کر اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے ۔ تو قدرت کاملہ سے زیادہ حسین اور دلربا اور کون ہے مگر وہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے حسن و جہال کا نظارہ کرنا ایسا آسان نہیں ہے جیسا کسی کم سن حسین مہ جبین کا جو بن لوٹنا ۔ قدرت کاملہ کے حسن کی قدر شناسی کے واسطے انسان کو تربیت کی ضرورت ہے ۔ جب اسی ضروری تربیت ہو جائے گی تو وہ اس کا قدردان ہو جائے گا ۔ یہاں حسن کی قدردانی سے فریفتگی اور فریفتگی سے عشق کامل مراد ہے —

اگر ہم کو کسی معشوقہ نسترن بنا گوش سے عشق ہو جائے تو ہمیں اس کی ہر چیز پیاری معلوم ہوگی ۔ اسی طرح قدرت کاملہ کا عشق صادق انسان کے دل میں ہر ایک قہر تو چیز کا انس پیدا کر دیتا ہے ۔ جاتے ہوئے ریگ بیابان سے پہاڑوں کی سفید سفید برفیلی چوٹیوں تک ۔ چھوٹے چھوٹے حشرات الارض سے تربیت یافتہ انسان تک ۔ بزم دودہ سے دھوئے دھوئے سبزہ نے اونچے اونچے درختوں تک اس کا عشق عام ہو جاتا ہے اور وہ ہر

شے کو عزیز سمجھنے لگتا ہے —

جہاں دیکھو وہاں اقرار ہے تیری خدائی کا

ہر اک سو سوجزن ہے بھر تیری کبریائی کا

جس وقت انسان کو یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ قدرت کاملہ کو دیکھتا ہے اور اس کو اس قدر بڑا خوبصورت اور گراں قدر محسوس کرتا ہے کہ اسے تمام قدرتی اشیاء میں ایک غیر ممکن الادراک روح کی موجودگی معلوم ہوتی ہے اور اس کی برتری و عظمت کے مقابلہ میں اسے اپنی ہستی محض 'ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ قدرت کاملہ اور اپنی ہستی کا موازنہ کرتا ہے تو غیر محدود قدرت خالق میں وہ اپنے آپ کو ایک ذرہ کی مثال پاتا ہے۔ یوں تمام اس کا کبر و غرور دور ہو کر رفتہ رفتہ اسے ظاہر ہونے لگتا ہے کہ میں نہایت ضعیف و کمزور ہوں بلکہ درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوں —

ایک جانب کمزور بلکہ نہایت ہی کمزور انسان ہے اور دوسری جانب قوی بلکہ نہایت ہی قوی روح ہے۔ ایک طرف بے بسی اور کمزوری دوسری طرف بے انتہا طاقت کی شورا شوری۔ اس حالت میں انسان اپنے آپ کو پاتا ہے تو فوراً قدرت کی روح سے حفاظت اور اعانت کی التجا کرتا ہے اور اس کا مطیع و منقاد ہو جاتا ہے۔ جیسے بچہ کو اپنی کمزوری اور اپنے والدین کی طاقت محسوس ہوتی ہے تو ان کا آسرا لیتا ہے اور ہر کام میں سہارا تھوندتا ہے اسی طرح انسان فقط اسی وقت کسی طاقتور پر بھروسہ اور انحصار کر سکتا ہے جب اسے اپنی کمزوری اور بیچارگی معلوم ہو جائے —

پس ثابت ہو گیا کہ قدرت کاملہ کی قدر شناسی کے واسطے انسان کو قربیت کی ضرورت ہے۔ قدرت کی قدر دانی سے قدرت کا عشق اور قدرت کے عشق سے قدرتی اشیاء میں کسی برتر روح کا احساس ہوتا ہے۔ اس برتر روح کی موجودگی سے انسان اپنا ضعف و انعطاف اور روح مذکور کی برتری اور عظمت دریافت کرتا ہے اور اپنی بیچارگی اور کمزوری کے علم سے اُسے خدا پر انحصار ہو جاتا ہے۔

اب ہم اپنے دلائل کی توضیح کے لئے مدارج بالا کو اُس ترتیب سے جس میں اُن کی تحصیل ہونی چاہئے سلسلہ وار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) تعلیم

(۲) قربیت

ان درجوں سے (۱) ”قدرت کاملہ کی قدر شناسی“ کا مادہ پیدا ہوگا اور اُس سے

(۱) عشق قدرت کاملہ۔ اور

(۲) ”خدا پر انحصار“۔ پیدا ہو کر انسان مہن

ذیل کے کاموں کی قابلیت پیدا ہوگی۔

(۱) اصدار فعل بلا خواہش و طمع نفسانی

(فرائض ذاتی)

(۲) اداے فرائض بلا خواہشات نفسانی۔

(۳) علم فرائض ذاتی و لازمی۔

امور مصرحہ بالا سے حسب ذیل نتائج مستخرج ہوں گے۔

(۱) افعال بلا خواہشات نفسانی سے نتائج پیدا

نہ ہوں گے۔

(۲) افعال بے نتائج سے افعال کا خاتمہ ہوگا۔

(۳) ان افعال سے آئندہ افعال پیدا نہ ہوں گے۔



(۴) فعل پر انسان کی ظاہری ہستی منحصر ہے۔  
پس فعل موقوف ہونے سے ہستی فنا ہو جائے گی۔  
(۵) مگر انسان در اصل غیر مبدل اور غیر فانی  
ہے۔ لہذا صرف ظاہری ہستی فنا ہوگی اور انسان  
باقی رہے گا۔

یوں اپنے آپ کو وہ سچی ہستی میں پائے گا اور  
مغالطہ دور ہو کر وہ محفوظ اور مصئون ہو جائے گا۔ اب  
وہ ہندؤں کے عقیدے کے بموجب خدا۔ بودہ مذہب کے  
بزرگوں کی سہجہ کے مطابق بودہ۔ مسیحیوں کے عقائد  
کے موافق عیسوی۔ اور اہل اسلام کے ایمان کی رو سے  
فنا فی اللہ ہو گیا۔

یہاں ہم سری کوشن کی تعلیمات کا خلاصہ لکھتے ہیں۔  
ان کا مطلب یہ ہے کہ انسان مغالطہ اور مغالطہ کی  
پیدا کی ہوئی تکالیف سے نجات پانے کے لئے ذیل کے تین  
طریقے اختیار کرے۔

(۱) قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء کا عشق۔

(۲) فرائض جاننے کے لئے تحصیل علم۔

(۳) افعال یعنی اداے فرائض بلا خواہشات نفسانی۔

علم سے معلوم ہو گا کہ کن فرائض کا ادا کرنا ضروری  
ہے۔ عشق الہی سے خدا پر اعتقاد ہو گا۔ خدا پر اعتقاد  
ہونے سے اداے فرائض میں خواہش نفسانی پیدا نہ ہوگی  
مگر یہ امر آسان نہیں ہے۔ اپنے جذروں کے احکام کی تعمیل  
کرنے کے لئے سپاہی کو کئی سال تک فوجی قواعد سیکھنی  
پڑتی ہے۔ اسی طرح پہلے انسان کو مدت مدید تک تربیت  
کے زیور سے اپنی روح آراستہ کرنی چاہئے جب کہیں خدا  
کے کامل اعتقاد کا نور اُس کے چہرہ سے نمایاں ہو گا۔ قصد

اور ارادہ شرط ہے۔ کوشش بلیغ کامیابی کے لئے ضرور ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اکتساب علم و عشق میں بہت بڑا حصہ بنی نوع انسان کا قاصر رہے گا اور اپنے فرائض بلا خواہشات نفسانی ادا نہ کر سکیگا۔ سری کرشن نے فرمایا۔ ”جب کبھی ادائے فرائض میں سستی اور کمی واقع ہوتی ہے اور دنیا میں فسق و فجور حد سے گزر جاتا ہے تو میں (خدا) نیکوں کی پناہ دہی اور بدوں کی ہربادی کے لئے پھر پیدا ہوتا ہوں۔“

ہم کو سری کرشن کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ انسان ایک پوشیدہ۔ لا زوال مستحکم۔ غیر مبہل اور خوش حال عالم کا جزو ہے۔ یہ پوشیدہ عالم اُس کی نظر سے غائب ہے یعنی گو وہ اس میں رہتا ہے مگر خواب غفلت اُس پر طاری ہے۔

تھا تو یہ خاک مگر کان میں کچھ غفلت نے

ایسی پھوں کہ ہوا میں یہ بشر آہی گیا

یہ غفلت کا خواب عالم مثال ہے جس میں ہر قسم کی مصیبتیں اور کلفتیں ہیں۔ انسان اس عالم رویا میں بہت سی حیات و مہات دیکھتا ہے۔ اس لئے اس کو لازم ہے کہ حصول مسرت و نجات کے لئے خواب سے بیدار ہو کر اصلی ہستی کا مشاہدہ کرے۔ سچے جائے قیام عالم برزخ کو تلاش کرے اور مغالطہ کے دام سے رہا ہو۔ مغالطہ دور کرنے کے چار طریقے ہیں۔ ”استغراق مراقبہ“ ”ریاضتہائے جوگ“ ”استقلال عشق الہی“ ”ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی“ ان میں فرائض کو سب پر فوق ہے۔ خدا پر پورا بھروسہ کرنے سے انعام بلا خواہشات سر زد ہوتے ہیں۔ یہی ایسا ذریعہ ہے جس

سے انسان اس طور پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر اصدار  
 افعال میں خواہش نفسانی نہ ہو تو وہ غیر موثر ہوں گے  
 اپنے آپ صادر ہونے والے افعال آئندہ کوئی مستقل  
 نتیجہ پیدا نہ کریں گے۔ بے غرضانہ عامل ہونے سے انسان  
 کو کچھ برائی بھلائی محسوس نہ ہو گی۔ کیونکہ دل  
 ہی محسوسات اور معلومات کا مبدا ہے۔ بلا خواہش عمل  
 کرنے سے انسان کو دو باتیں معلوم ہوں گی اول یہ کہ اُس کا دل  
 مردہ ہو گیا ہے دوسرے یہ کہ اُس کے افعال سے نتائج مستخرج نہیں  
 ہوتے۔ اور اُن سے آئندہ افعال ظہور پذیر نہ ہو کر اُن کا خاتمہ  
 ہو گیا ہے۔ یوں افعال کے مسدود ہونے سے اُس کی عالم  
 مثال والی موہوم ہستی فنا ہو جائے گی اور اپنے  
 آپ کو عالم بوزخ کی اعلیٰ اور سچی ہستی میں  
 پائے گا۔ عالم بوزخ کی حقیقت دریافت کرنی انسان کے  
 علم و امکان سے باہر ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ  
 یہی نامہکن الادرک دنیا ملک خدا ہے جب انسان  
 اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے تو فنا فی اللہ ہو  
 جاتا ہے۔ اس سے انسان کا ظاہری جسم فنا نہیں  
 ہوتا۔ کیونکہ عالم بوزخ ہے مگر جیسا ہم اُس کو  
 اپنی خیالی ہستی میں مشاہدہ کرتے۔ ہیں یہ غلط  
 ہے۔ گو ہمارا جسم اور دنیا قائم رہیں تاہم ہم مغالطہ  
 کے دام سے آزاد ہو کر چیزوں کو کسی دوسری شکل میں  
 دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ شکل صرف دیکھنے سے تعلق  
 رکھتی ہے نہ بیان ہو سکتی ہے نہ قیاس و گمان میں  
 اسکتی ہے۔

ارجن نے یہ تہام بند و موہظت سری کرشن کی زباں  
 نہیں ترجمان سے سن کر کہا 'اے واقف اسرار ذہب

آپ کی عنایت سے میرا مغالطہ رفع ہو گیا اور عقل  
و ہوش درست ہو گئے۔ " ہم امید کرتے ہیں کہ ان  
تعلیمات کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین کا مغالطہ  
بھی دور ہو جائے گا۔

آمین

---

## سوانح عمری

### سدا ہمارا تہہ گو ام بھاتا

ہرے بھرے درخت کے سایہ میں زمانے کی نا معلوم  
رفتار سے سری کرشن کی وفات کو ایک ہزار برس سے  
زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ نیرنگی زمانہ نے دنیا کا رنگ  
بدل دیا۔ نئی بساط بچھی نئے مہرے جھے۔ اگلے طاقتور  
شاہی خاندانوں کا پتہ نہ رہا ملکوں۔ سلطنتوں اور  
قوموں کا نام و نشان مٹ گیا۔ زمین و آسمان بدل  
گئے۔ پرانے شہروں کے آثار و نشانات تبدیل ہو کر نئی  
بستیاں بس گئیں۔ سرسبز اور زرخیز ملک اُجڑ کر ویرانے  
بن گئے۔ دریاؤں کے دھارے اپنی جگہ سے میلوں کوسوں  
ہٹ کر بہنے لگے۔ کتورے کی طرح جھلکتی ہوئیں امی  
چوڑی جھیلیں چشمہ آفتاب کی مانند خشک ہو گئیں  
الغرض ہزار ہا سو برس ادھر جو منہ کا زمانہ سری کرشن  
نے ملاحظہ فرمایا تھا وہ اب نہ رہا تھا۔ نہ وہ  
سرد و زن باقی تھے جو انہوں نے اپنا مذہب

تلقین کیا تھا —

اسقدر تغیر تبدیل پر بھی شکر کا مقام ہے کہ ہندوستان کی تہذیب و شایستگی پر زمانہ کا ظالم ہات نہ پہنچا تھا۔ علم و ہنر کی ترقی کے رستے مسدود نہ ہوئے تھے گو گزشتہ ایام بہت جلد جلد ہر چیز کا رنگ بدل رہی تھی مگر تربیت و شایستگی دولت و عظمت میں دن دینی رات چوکنی افزائش ہوتی گئی۔ البتہ سری کرشن کے اعلیٰ اصول دینی قریب قریب فراموش ہو گئے تھے اور جو رستہ بہشت و نجات کا انہوں نے بتا دیا تھا اس سے آوارہ ہو کر خلق خدا دشت گم شدگی میں پڑی پھرتی تھی —

تاہم لوگ سری کرشن کو نہ بھولے تھے۔ انہیں خدا کا اوتار کہتے تھے۔ ہر گاؤں ہر قصبہ بلکہ ہر گھر میں ان کی پرستش ہوتی تھی۔ ہاں ان کی تعلیمات اور کار ہائے نمایاں فراموش ہو گئے تھے اور روحانی خوشی حاصل کرنے کا طریقہ جس کو انہوں نے بڑی توفیق کے ساتھ بیان فرمایا تھا یاد نہ رہا تھا۔ اس وقت لوگ انہیں خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ جم گیا تھا کہ صرف اس قسم کی پرستش ہی ذریعہ مغفرت ہے —

اتفاق سے جہاں کہیں یہ تعلیمات باقی رہ گئی تھیں وہاں انہیں بڑی غلط فہمیاں تھیں۔ افعال سے کم درجہ کی قربانیاں۔ پرستشیں جاترا وغیرہ سمجھی جاتی تھیں۔ علم سے ویسے مقدس۔ مذہبی نظم، الہیات وغیرہ کی واقفیت مراد لی جاتی تھی۔ اور عشق جو ان سب پر فائز تھا، ایک قلم متروک ہو گیا تھا —



ہدی نوع انسان پھر پریشان اور تباہ حال ہو گئے اور اُن کی حالت پھر ویسی ہی ہو گئی جیسی پہلے تھی۔ لذات روحانی پر آلام نفسانی نے شب خون مارا۔ حصول نجات و راحت دائمی کی خواہشیں پھر بھر گئے لگیں۔ حرمان نصیبی اور معروسی طالع نے پھر کھیر لیا۔ اور کُل اعلیٰ اصول جو انسان کو ہمیشہ خرابی اور بدبختی سے بچانے کا ذریعہ تھے زمانہ کے ہاتھوں سے نیست و نابود ہو گئے۔ —

مگر قسام ازل کی رحمت بے پایاں ہے جس قدر اُس کا عالم موجودات وسیع ہے اور جزا اعلیٰ درجہ کی سعادت اُسے انسان کے ساتھ ہے وہ اُس کے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ انسان۔ خدا اور اُس کے کلام کو بھول جاتا ہے مگر وہ اُسے ہر وقت یاد رکھتا ہے لہذا دوسری دفعہ پھر نور الہی نے انسانی قالب میں جلوہ گر ہو کر وہی اُصول دینی بالتشریح سمجھائے جو بیان تو پہلے بھی کئے جاچکے تھے مگر اُن کا مطلب لوگ خاک نہ سمجھے تھے۔ —

یہ اشارت اور نیک شخص جن کے پاک قالب میں اس مرتبہ نور الہی جنت النعیم سے آکر جلوہ گر ہوا ”گوتم“ تھے یہ دنیا میں ’بدھ‘ کے لقب سے نامور ہوئے کج فہمی سے انٹر لوگ خیال کرتے ہیں کہ ”گوتم“ نے ایک نئے مذہب کے وعظ کہے جو سری کرشن کے مذہب سے بالکل مختلف تھا۔ مگر یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ اُنہوں نے جو کچھ کہا وہ سری کرشن کے اقوال کی تشریح ہے۔ ان کے وعظ سری کرشن کے بتائے ہوئے رستہ کے لئے جو جہالت اور مذہبی تعصب کے

سبب قاریک ہو رہا تھا روشن شعیں ہیں —  
 ایک اعلیٰ درجہ کا مذہب مزاج مورخ لکھتا ہے کہ  
 " گوتم کی ولادت، تربیت، موت، زیست ہندوں جیسی  
 ہوئی۔ اکثر اُن کے خاص سرید اور بودہ مذہب کے  
 مشہور مشہور سر گروہ برہمن تھے۔ وہ اپنے ہاں کے  
 سنتوں کو اعزازی خطاب " برہمن " کا دیتے تھے۔  
 گوتم کی تربیت و تعلیم بالکل برہمنوں کے مذہب کے  
 موافق ہوئی تھی وہ اپنے آپ کو اُس پاک روح کا مظہر  
 تصور کرتے تھے جو قدیم زمانہ کے ایمان کی تعلیم سے  
 تیز کی گئی تھی اور صرف اُنہیں کی نسبت دہری  
 کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوں میں نہایت اعلیٰ نہایت  
 فہیم اور نہایت برتر تھے اور اُن کا مذہب ہندو مذہب  
 کا مرغ دست پرور تھا —

مذکورہ بالا ایک نامی گرامی اجنبی مصنف کے الفاظ  
 ہیں جس نے گوتم بودہ کی سوانح عہری اور تعلیمات  
 کو صہر بھر پڑھا تھا۔ نیز ذیل کے مختصر تذکرہ اور  
 تعلیمات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے —

جیسی علیہ السلام سے تقریباً پانسو برس پہلے بودہ  
 مہاراج نے شہر کپل وستو میں ظہور فرمایا۔ یہ شہر دریائے  
 رومنی کے کنارے بنارس سے سو میل کے فاصلہ پر گوشہ  
 مہال و مشرق میں واقع تھا۔ یہاں سے بہت دور پر کو  
 ہمالیہ کا برفیلا سلسلہ صاف طور سے نظر آتا تھا جس کی  
 اونچی اونچی سفید چوٹیاں آسمان سے لگی ہوئی معلوم  
 ہوتی تھیں۔ اور قرب و جوار کی پہاڑیوں سے چھوٹی  
 چھوٹی سیکڑوں ندیاں نکل کر مختلف سمتوں میں  
 بہتی تھیں —

کیل وستو ایک چھوٹی سی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ یہاں گوتم خاندان کی حکومت تھی۔ جس وقت کا ہم بیان کرتے ہیں اُس وقت سدھاون گوتم قوم ساکیہ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اس بادشاہ کے دو حرم تھے مگر دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی تقریباً پینتالیس برس کے سن میں بڑی ملکہ حاملہ ہوئی بادشاہ نے خوب خوشیاں منائیں دل کھول کر زرو جواہر لٹائے۔ باردار ملکہ رواج ملک کے موافق وضع حمل کے لئے اپنے ماں باپ کے ہاں بھیج دی گئی۔ مگر اثناء راہ میں چند بلند درختوں کے تلے یکا یک بچہ پیدا ہو گیا۔ اور ملکہ کو بچہ سمیت کپل وستو واپس آنا پڑا۔ افسوس اس بچہ کو ایک ہی ہفتہ میں ماں کی آغوش شفقت سے اجل نے محروم کر دیا۔ سو قیلی ماں نے بڑی خیرگیری کے ساتھ اپنی اولاد بنا کر پالا —

سدھارتھہ اُس کا نام رکھا اور خاندان گوتم کے اعلیٰ شہزادوں کی طرح اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہونے لگی۔ ہمیں گوتم کی اوائل عمری کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے چند آدمیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شہزادہ ہمیشہ مجلسرا کی چار دیواری میں پڑا ہوا عیش و نشاط میں مشغول رہتا ہے اور مردانہ ورزشوں سے جو شہزادگی کے زمانہ کے شایان ہیں جو چراتا ہے۔ جب یہ خبر شہزادے نے سنی تو نیزہ بازی کے میدان میں فنون سپہ گری کے ایسے کرتب دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے اور مخالفین کے جو چہوت گئے —

اُفتیس برس کی عمر تک گوتم کے حالات معلوم نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے تحصیل دینیات اور فلسفہ کے لئے وطن ترک کیا کہتے ہیں ایک معمولی واقعہ نے ان کی زندگی کا رخ زہد و عزت نشینی کی طرف پھیر دیا —

ایک دن وہ اپنے خادم چین کو ساتھ لے کر سیر کو آئے کہ دیکھیں دنیا کے کیا رنگ تہنگ ہیں۔ پہلے ایک فرسودہ حال بدھا ملا۔ پھر ایک ناتوان بیمار کو دیکھا کہ ضعف کے سارے قدم قدم پر تھیکیاں لیتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ آگے چل کر دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ کو لئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک فقیر صاحب باطن سے ملاقات ہوئی بڑھاپے۔ بیماری۔ اور موت کی حالتوں نے ان کے دل پر بڑا اثر ڈالا۔ فوراً دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایک دن مجھے بھی انہیں دشمنوں نے پتھار میں پھینکا ہوگا اب انہیں معلوم ہونے لگا کہ عالم کی بے ثباتی اور دنیا کی ناپائنداری ہیچ ہے انسان کی زندگی باوجود راحت و آرام کے مرض موت اور پیرانہ سالی کا شکار ہوتی ہے۔ ادھر بڑھاپے نے صورت دکھائی ادھر امراض تے ہاتھ پاؤں کھزور کر کے اپنا سکہ بتھا دیا۔ سامانِ راحت موجب صد زحمت ہو گیا۔ اور شمع حیات جھلملانے لگی اس کے ساتھ ہی انہوں نے درویش کے چہرے سے جلال اور اطمینان خاطر کے آثار نمودار ہوتے ہوئے دیکھے تو سوچنے لگے کہ اگر میں اسی طرح دنیا کے سب جھگڑے چھوڑ چھار کر یاد خدا میں مشغول ہو جاؤں تو مجھے بھی رنج و تکلیف سے نجات مل جائے۔ غرض انہیں خیالات میں غلطیاں پیدیاں وہ گھر کو واپس آئے —

گوتم کی شادی ہو چکی تھی۔ ان کی بیوی جسودھارا سے ایک صاحب جمال لڑکا بھی پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام رھل رکھا تھا۔ بادی المظار میں گوتم کے فوراً گھر سے نکل جانے کا یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں خیال ہوا کہ کچھ دنوں بعد نئے تعلقات کا تورنا سخت دشوار ہوگا۔

آدھی رات کو انہوں نے اپنے خادم چین سے گھوڑا مانگا جب چین تعمیل حکم کے لئے جا چکا تو وہ اپنی پیاری بیوی کے کمرے کے پاس گئے اور دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر جھلملاتی ہوئی شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہ بچہ کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے خواب ناز میں ہیں۔ پہلے دل میں آیا کہ بچہ کو گود میں اتھا کر پیار کریں۔ پھر سوچا کہ مبادا اس کی ماں جاگ اٹھے تو غضب ہی ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اپنی بیوی کے جگالے کی بھی جرأت نہ کی اپنے باپ کا گھر بھرا پرا اور شہزادگی کے عیش و تنعم کو چھوڑ کر نوجوان بیوی اور اکلوتے بچہ کی طرف سے منہ سوزا۔ سب کو خیر باد کہا اور چین کو ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔

چلتے چلتے بہت دور نکل گئے اور رستہ میں کہیں نہ تھیرے۔ دیارے ایومہ پر پہنچ کر اپنے بیش بہا زیور اور جواہر چین کے سپرد کئے اور کہا کہ ان کو لے کر کپل وستو کو پلت جاؤ۔ چین نے ساتھ چلتے اور زاہدوں کی طرح رفاقت میں رہنے کی التجا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ گوتم نے کہا تم جا کر میرے والد سے کل ماجرا بیان نہ کرو گے تو انہیں میرا حال کیوں کر معلوم ہوگا۔

غرض اُسے نہایت مہربانی اور شفقت کے ساتھ رخصت کیا دریا اُتر کر بہدرا کرایا اور ایک غریب آدمی سے لباس بدل کر زہد و فقر اختیار کرنے کے لئے راج گڑی کی طرف چلے گئے۔

راج گڑی مگدہ کی سلطنت کا پایۂ تخت تھا اور ایک دلکش وادی میں پانچ پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا۔ ان پہاڑیوں کے غاروں میں چند مشہور درویش گوشہ نشین تھے گوتم ان کے پاس گئے اور ایک "القر" نامی درویش کے سرید ہو گئے۔ مگر جب اس بزرگوار کی طریقت سے تسکین نہ ہوئی تو ایک ارو "عابد اورک" نامی سے رجوع کی اور ان درنوں فقرائے باکمال سے ہندو مذہب اور اہل ہند کا فلسفہ از اول تا آخر سیکھا۔

اس کے بعد انہوں نے جوگ کی ریاضتوں کی آزمائش کا قصد کیا اور اُڑویل کے جنگل میں آج کل بدھ گیا کے نام سے مشہور ہے چھ سال تک درہ ناک ریاضتیں اور سخت مشقتیں اُتوائیں نفس کشی کرتے کرتے جسم تحلیل ہو کر کانتا ہو گیا۔ مگر جس بات کی تمنا تھی وہ ان ذریعوں سے حاصل نہ ہوئی۔ جہاں تک خیال دوڑایا اپنے آپ کو معروسی اور پڑسردگی کا صید پایا۔ منازل فقر میں بھی خوشی اور اطمینان خاطر کا شہر اٹنا ہی دور تھا جتنا کپل وستو کے ایام شہزادگی میں۔ ہاں سخت عبادتوں اور ریاضتوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ شہرت نے نزدیک و دور سے کھینچ کر چند سرید اُن کے گرد جمع کر دیئے ایک دن وہ چہل قدمی کرتے تھے تھلتے تھلتے یکا یک پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر پڑے بعض



عقیدہ تمہدوں نے خیال کیا کہ سہارا کو محبوب الہی کا وصال حاصل ہوا۔ اور انہوں نے ہم توڑ دیا مگر صرف ضعف کا اثر تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بیلے چنگے ہوئے انہوں نے جب ان سخت قیود سے آئندہ کو کوئی نفع کی امید نہ پائی تو نفس کشی ترک کر دی۔ —

اس تلون مزاجی سے مریدوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اور معتقد پیرووں نے خیال کیا کہ ہمارے پیشوا نے جادہٴ صدق و صفا سے منہ موڑا۔ اس لئے وہ سب گوتم کو چھوڑ بنارس چلے گئے۔ —

گوتم بن کی جہازیوں میں پڑے پھرتے تھے مگر ان کو ہر ہر قدم پر سخت معروسی کا سامنا تھا۔ رید اور شاسترونکا مطالعہ کرچکے۔ جوگ کی دشوار اور سخت ریاضتیں اٹھا چکے۔ حصول کامیابی کے لئے ہر معلوم طریقہ سے کوششیں کرچکے مگر افسوس جس دلی راحت کی انہیں آرزو تھی وہ حاصل نہ ہوئی۔ نہ زاہدوں اور خانقاہ کے درویشوں سے مطالب نکلا۔ نہ حکما اور فلاسفہ سے کچھ مدد ملی۔ اس سچی راحت کا وجود ضرور تھا۔ مگر کوئی اُس کا پتہ نہ دے سکا۔ —

اس وقت گوتم کے دل کی عجب حالت تھی دنیا کی کوئی چیز بھائی نہ لگتی تھی۔ کبھی فکر کے دریا میں غوطے لگاتے کبھی مراقبہ کے بحرِ ذخار میں توب جاتے کبھی طبیعت کی بے اطمینانی چین نہ لینے دیتی۔ کبھی دل کی گھبراہٹ جنگل کی طرف کھینچ لے جاتی کبھی بیوک ستاتی۔ کبھی کم ہمتی دل کو صدمہ پہنچاتی۔ غرض ان پیچ در پیچ خیالات نے دل میں ایک سخت الجھن ڈال رکھی تھی۔ وہ نہیں جاں سکتے تھے کہ کہاں

جائیں اور کیا کریں۔ نہ اس بات کا فیصلہ کرسکتے تھے کہ آیا سلطنت کو واپس جاکر پیاری بیوی اور بچہ سے ملیں۔ یا طوفانی بحر کی بے پتوار کشتی کی طرح اسی تافواں تول حالت میں دنیا میں آوارہ سرگرداں پھرتے رہیں۔

وہ اسی اٹھویں بن میں تھے کہ یکایک ایک ناکتختہ دھقان کی لڑکی کی ان پر نظر پڑی۔ وہ چتونوں سے تازہ کٹی کہ فقیر شکستہ خاطر اور آزرده دل ہے۔ دل میں خلقی شفقت و مہربانی کا دریا موجزن ہوا اور اس نے گوتم کے پاس جا کر نہایت شیریں اور بیماری آواز میں دریافت کیا ”مہاراج کیا آپ بھوکے ہیں؟“ کیا میرے ہات سے ماحضر قبول فرمائیں گے؟“ گوتم نے سر اٹھا کر تھوڑی دیر تک اس کو غور سے دیکھا پھر پوچھا ”بہن تمہارا نام کیا ہے؟“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”مہاراج مجھے سوجات کہتے ہیں“ گوتم نے کہا۔ ”ہاں میں بھوکا ہوں۔ بھوک کی شدت سے بیتاب ہوں۔ اچھا بہن کیا تم میری بھوک کو تسکین دے سکتی ہو؟“

دھقان کی معصوم لڑکی خاک نہ سہجھی کہ بھوک سے گوتم کا کیا مطلب ہے۔ اور ان کے دماغ میں کیا کیا خیالات بھرے ہیں۔ اُس نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لاکر ان کے آگے دھر دیں اور انہیں تناول کرنے کی التجا کی۔ گوتم نے مسکرا کر کہا ”میری مہرباں سوجات کیا ان سے میری بھوک کو تسکین ہوگی؟“ لڑکی نے جواب دیا ”جی ہاں اُن سے آپ کی بھوک رفع ہو جائے گی۔“

گوتم ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر کھانا کھانے

لگے - اور یہ درخت اس روز سے درخت دانش کے نام سے مشہور ہوا -

سودات چلی گئی مگر یہ دن بھر اسی درخت کے نیچے بیٹھے رہے - ہم یہ بیان کرنے کی جرأت نہیں کریں گے - کہ اس وقت وہ کن خیالات میں معوث تھے - مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ صبح سویرے سے دن چھپے تک وہ اپنے خیالات میں مستغرق رہے جب دن تھلا اور دونوں وقت ملے تو واقعی ان کو بھوک رفع ہو گئی - ذیوی تکالیف کا عقدہ حل ہو گیا - اسرار مغفی سمجھہ میں آگئے اور بہشت کا رستہ معلوم ہو گیا - انہیں علم لدنی حاصل ہو گیا اور بدہ کا درجہ مل گیا -

جو نور شہزادہ دوار کا کے قالب میں جلوہ گر ہو کر ایک بلند درخت کے سایہ میں پردہ عدم میں پنہاں ہو گیا تھا - ایک ہزار سال بعد وہی نور اسی بلند درخت کے نیچے گوتم بدہ کے جسم میں جاوہ گر ہوا - گوتم حالت انبساط میں وجد کرتے ہوئے درخت کے نیچے سے اٹھے اور راجگڑی کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے - وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان کے دونوں پرانے استاد انتقال کر گئے وہاں سے سیدھے بنارس کی طرف چلنے اثناء راہ میں ان کے پرانے دوست آپک ملے اور یوں گفتگو ہوئی -

آپک : اھا - یار تم تو اچھے خاصے ہتے کتے ہوکتے - میں دیکھتا ہوں تمہاری عورت کچھہ عجب دلفریب ہوکتی ہے اور بشرے سے تم بہت مطہن اور ہشاش بشاش معلوم ہوتے ہو - وہ کونسی مذہبی طریقت ہے جو تمہاری اس قدر خوشی اور آسودگی کا باعث ہوئی ؟ -

گوتم : ہاں تم سچ کہتے ہو۔ میں دنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی طاقتوں پر قادر ہو گیا ہوں۔ نفس امارہ کی خواہشوں پر غالب آ گیا ہوں۔ اور مجھے دائی اور ابدی راحت کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو گیا ہے۔

اُپک : اب تم کہاں جاتے ہو؟

گوتم : بنارس۔

اُپک : کس غرض سے؟

گوتم نے اس کا جواب مشہور اشعار ذیل میں دیا۔

یہ آرزو دل میں بس رہی ہے کہ راز پنہاں جتنا جتا کر  
حقائق و معرفت کی راہیں ہر اک بشر کو دکھائیں گے ہم  
یہی ارادہ یہی ہے مقصد یہی ہے منشا یہی ہے مطلب  
اسی ضرورت اسی غرض سے فقط۔ بنارس کو جائیں گے ہم  
بہت ہیں دینی اصول ایسے پڑی ہے ظلمت کی خاک جن پر  
انہیں خدا کی عنایتوں سے اب آئینہ کر دکھائیں گے ہم  
فنا کر دیں گے غم فنا کو چکھائیں گے لذت بقا کو  
جہاں فانی کے رہنے والوں کو جاودانی بنائیں گے ہم  
یہ ان ترانیاں سن کر اُپک سے رہا نہ گیا تو اُس نے  
بات کات کر کہا۔ ”حضرت بس اب اپنی سواری بڑھائیے  
آپ کا وہ رستہ ہے اور بندہ کا یہ۔ اور یہ کہہ کر  
دوسری طرف چلتا ہوا۔

مگر اس دانشکن فقرے سے ہمارے نئے رہنما کو ذرا  
بھی ہراس نہ ہوا۔ وہ بیدھڑک یہاں سے بنارس کو  
روانہ ہوئے اور چند روز بعد شام کی گنگوں شفق کی  
دھیہی دھیہی روشنی میں ہرن بن میں جا پہنچے۔ یہ  
بن شہر بنارس سے جانب شمال واقع تھا۔ یہاں گوتم کے  
پرانے سریدوں میں سے پانچ سرید رہتے تھے۔ مگر جس

روز سے گوتم نے نفس کشی ترک کر دی تھی وہ انہیں ایک ملحد سے بہتر نہ جانتے تھے۔ اور اپنا مرشد نہ کہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے گوتم کی آؤ بھگت ذرا نہ کی۔ صرف ایک بوریا بیٹھنے کو والدیا اور اُن کا نام لے لے کر اُن کی طرف خطاب کیا۔ گوتم نے کہا مجھے طریق نجات معلوم ہو گیا ہے میں بدہ ہو گیا ہوں، تمہیں بھی انسانی زندگی کی تکالیف اور مصائب سے بچنے کی قرکیبیں بتا سکتا ہوں۔ غرض مریدوں سے دہر تک مباحثہ اور مناظرہ ہوتا رہا اور انہوں نے طرح طرح کی ترغیبوں سے اُن کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کی۔ بالآخر سعی مشکور ہوئی۔ پہلے پہل مسن "کندینا" ایہاں لایا ازاں بعد اوروں نے بھی اُن کا طریق نجات قبول کیا۔

کچھ عرصہ تک گوتم ہرن بن میں مقیم رہے۔ جو لوگ اُن کے پاس جاتے انہیں جدید مسائل دینی یکساں تلقین کرتے اور اس فیضرسانی میں مرد، عورت، امیر، غریب، عالم، جاہل، کسی کی تفریق نہ تھی۔ اول اول دنیا دار لوگ اُن کے مرید ہوئے جن میں دو عورتیں بھی تھیں۔ ان نئے مریدوں میں سب سے پہلا چیلہ "یاس" نامی ایک امیر کبیر نوجوان تھا جس کے ساتھ اس کے ہمراہیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بھی تھی۔ اس کے بعد یاس کے ماں باپ اور اُس کی بیوی یس سب بھی بدہ مذہب میں داخل ہوئے۔ مگر یہ دنیا دار مریدوں کی طرح رہے۔

درخت دانش کے نیچے بیٹھنے سے پانچ اور ہرن بن پہاڑوں سے تین مہینے بعد گوتم نے اپنے تمام مریدوں کو جن کی تعداد ساتھ تک پہنچ چکی تھی جمع کیا

اور اُن کو وعظ و تلقین اور اشاعت خوشخبری کے لئے مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ فقط یاس اپنے والدین کے پاس بنارس میں رہ گیا اور گوتم بھی سریدوں کی رسالت کا نتیجہ دیکھنے کے لئے یہیں منتظر بیٹھے رہے۔

اُزویل کے جنگل میں تین بھائی رہتے تھے۔ یہ مشہور گوشہ نشین اور ناسی فلسفی تھے اُن کی عام شہرت کی وجہ سے طالب علموں کا ایک انبوه کثیر اُن کے گرد جمع ہو گیا تھا۔ اور بادشاہ و عمامہ اُن کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے۔ گوتم بھی اُن کے پاس جا کر رہے۔ یہاں رہتے ہوئے انہیں تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اُن میں سے ایک نے اُن کا مذہب اختیار کر لیا اور بھائیوں اور پیرووں نے بھی بہت جلد اس کی تقلید کی اس عظیم واقعہ سے ملک میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ دور دور سے لوگ جوق جوق آکر جمع ہو گئے کہ دیکھیں بودہ کس پایہ کے آدمی ہیں اور طریق نجات کی بابت اُن کی کیا رائے ہے۔ اب وہ عام طور سے اپنے مذہب پر وعظ دینے لگے اور دن بدن پیرووں کی تعداد بڑھتی گئی۔

گوتم اپنے سریدوں کو لے کر اُزویل سے چلے اور مکہ کی دارالسلطنت راج گڑی میں آئے۔ شاہ بہبا سر نے آکر اُن کے اور اُن کے پیرووں کے قدم لئے۔ یہاں انہوں نے رائے بہشت پر ایک وعظ کیا اور دکھایا کہ جنت کا دروازہ طہارت اور منزل مقصود عشق ہے۔ شاہ مذکور فوراً اس جدید طریقہ کا مقلد ہو گیا اور بہتوں نے اُس کی پیروی کی دوسرے دن جب گوتم قصر شاہی اور شہر کی سیر کو تشریف لے گئے تو بیشمار آدمیوں کے اُن کے گرد تھتہ لگ گئے اور سب نے اُن کے اصول دینی



اختیار کرنے کی صدق دل سے تمنا ظاہر کی۔ بادشاہ ہڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور قصبہ کے قریب ”ویلویں“ کی جہازی اُن کے رہنے کے واسطے تجویز کر دی۔ یہ مقام اس لئے مشہور ہے کہ گوتم یہاں کئی برسات کے موسموں میں مقیم رہے تھے اور بہت سے مضامین پر مباحثے ہوئے تھے۔

لیکن یہ مذہبی جوش فوری تھا۔ جس قدر سرگرمی کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا ویسا ہی جلد فرو ہو گیا۔ جب گوتم کے سرید بھیک مانگنے جاتے تو اُن پر گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی اور لوگ اُن کا مضحکہ اُڑاتے۔ وہ بیچارے بدناسی کے دھبے، امانوں پر لے کر واپس آتے اور جو کچھ بے اعتنائیاں اُن کے ساتھ کی جاتیں اُنہیں خاموشی سے برداشت کرتے کیونکہ کچھ چارہ نہ تھا۔

اسی عرصہ میں گوتم کے پاس اُن کے والد بزرگوار نے ایک مراسلہ بھیجا اور لکھا کہ اپنے شہر کو آؤ اور میرے آخری وقت میں ایک مرتبہ مجھے اپنی صورت دکھا جاؤ گوتم یہ پیام طلب قبول کر کے کپل وستو کی جانب روانہ ہوئے۔

وہ یہاں پہنچ کر شہر کے باہر ایک جہازی میں تھیرے اُن کے والد بزرگوار جمیع عزیز و اقارب کو ساتھ لے کر اُن سے ملنے آئے۔ مگر اُن کے زہد طریق مذہب سے حوش نہ ہوئے۔ اس لئے اُن کی جماعت کے کہانے پہننے کا بھی کچھ بندوبست نہ کیا اور واپس چلے گئے۔ دوسرے دن گوتم نے شہر میں گھر گھر بھیک مانگنی شروع کر دی بادشاہ نے یہ حال سنا تو اُسے سخت ملال ہوا۔ فوراً

گوتم کے پاس گیا کہ انہیں اس حرکت سے منع کرے۔ اس وقت گوتم نے اپنے باپ کے رو برو اپنے دینی اصول ظاہر کئے۔ مگر اس نے کچھہ جواب نہ دیا۔ جھوٹی ان کے ہاتھ سے لے لی اور اپنے ہہراہ قصر شاہی کو لے گیا۔ گوتم محل میں داخل ہوئے تو سب نے ان کی تواضع و تکریم کی۔ مگر ان کی بیوی ان کے پاس نہ آئی۔ اس نے کہا اگر ان کی نظروں میں کچھہ بھی میری وقعت ہے وہ خود ہی میرے پاس آئیں گے اسی روز سے اس نے اپنے خاوند کو سردہ سمجھکر سب عیش و آرام ترک کر دیا۔ ان بھر میں صوت ایک دفعہ معہولی کھانا کھانا اور چٹائی پر سونا اختیار کیا گوتم شہر میں آئے ہی یہ حال سن چکے تھے۔ گو بدہ مذہب کا کوئی پورو عورت کا چھوڑنا اور اپنا جسم عورت کو چھونے دینا روا نہ رکھتا تھا تاہم وہ دو مردوں کو ساتھ لیکر اپنی بیوی کے پاس گئی۔ گوتم کی بیوی نے جب انہیں زاہدانہ لباس میں اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا۔ وہ بے اختیار ان کے قدسوں پر گوی پڑی اور زار زار رونے لگی لہذا گوتم نے فرقہ اذات کے لئے ایک گروہ اپنے مذہب میں قائم کیا اور ان کی بیوی جسودھارا طریقت کے حلقہ میں آکر بودہ مذہب کی سب سے پہلی گوشہ نشین بیراگن ہوئی۔

پندرہ روز تک وہ کپل وستو کے قریب ایک جہازی میں مقیم رہے اور اپنے احبا و اقربا کی دعوتوں میں شریک ہوتے رہے۔ ایک دن گوتم کی بیوی نے اپنے بیٹے رھل کو عہدہ کپڑے پہنا کر جب گوتم محل کے قریب سے گزر رہے تھے دریچہ سے اسے دکھا کر کہا۔ دیکھو وہ تمہارے باپ جاتے ہیں۔ ان کے پاس جا کر اپنے حقوق مانگو کہ

میں آپ کا فرزند ہوں اپنی میراث چاہتا ہوں۔ رھل گیا اور اپنا ورثہ مانگنے لگا اس وقت گوتم کھانا کھانے میں مشغول تھے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکا بار بار اپنا ورثہ مانگے جاتا تھا مگر وہ چپ چاپ کھاؤا کھا کر اپنے قیام گاہ کو جھاری کو طرف چل دئے رھل بھی پیچھے پیچھے اپنا ورثہ مانگتا ہوا چلا گیا۔ گوتم نے جھاری میں پہنچ کر ایک مرید سے کہا 'بھائی میں اس لڑکے کو وہ نعمت غیر مترقبہ جو مجھے درخت دانش کے نیچے ملی ہے دیتا ہوں تم اس کو اس دولت عظمیٰ کا والی اور وارث بناؤ'۔ اس اشارہ کے بموجب رھل گروہ میں داخل کر لیا گیا۔ مگر بوڑھا بادشاہ یہ حال سن کر نہایت مغموم ہوا کیونکہ بیٹے کی طرح سے پوتا بھی اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب گوتم نے راجگری کی جانب پلٹنے کا قصد کیا۔ مگر چند روز ایک دریا کے کنارے پر ٹھہر کر اپنے عزیز خادم چین کو رخصت کیا۔ بہت سے رشتہ دار اور اہل وطن ان کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ ان میں سے ہم یہاں چار شخصوں کا تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ انڈ اور دیوت ان کے رشتہ کے بھائی تھے۔ اپالی قوم کا ذاتی اور انروہ ان کا ہم وطن تھا۔ انڈ تمام عمر ان کا ہمدم و دم ساز رہا۔ دیوت ان کا رقیب اور مد مقابل ہو گیا۔ اپالی حجام ان کے گروہ کا بڑا فاسور پیشوا ہوا۔ اور انروہ بودہ مذہب کی حکمت نظری کا عالم ہوا۔ موسم برسات ختم ہونے پر گوتم راجگری سے چل کر سلطنت کوسل کے پایہ تخت سرا وستی کو گئے۔ یہاں ایک متمول سودا کرنے ان کی بود و باش نے انے ایک وسیع اور پر فضا جنگل ان کے فامزد کر دیا۔ یہ مقام بعد کو اس لڈ مشہور

ہوا کہ چند برسات کے موسوں میں گوتم وہاں مقیم رہے تھے۔ اور زمان قیام میں وہاں بڑے بڑے سکالہے اور مباحثے ہوئے تھے۔ یہاں ان کی رسالت کا تیسرا سال ختم ہوا۔ چوتھے سال سے چوالیسویں برس تک ہم کو ان کے اشغال بہت کم معلوم ہیں۔ غالباً انہوں نے یہ زمانہ اپنے مذہب کی اشاعت و ترویج میں صرف کیا ہو گا۔ انہوں نے اپنے گروہ کے لئے قواعد مضبوط کئے اپنے فلسفہ کی پختگی اور مضبوطی کی اپنے دنیا دار سریدوں کو طہارت کی ہدایت دی اور دیگر مضامین بدیع پر وعظ دیتے رہے۔

ان چوالیس برس کے سوانح جو تھورے بہت ہم کو معلوم ہیں وہ متفرق حالات ہیں اور نہایت پیچیدگی کے ساتھ تھیلی طور پر راز مخفی کی طرح بے سلسلہ بیان کئے گئے ہیں۔

لہذا ہم چوتھے سال سے بیس برس تک کے حالات ایک مشہور کتاب سے لیکر مختصر طور پر ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

چوتھے برس گوتم مہا بن میں مقیم رہے اور ایک نت کو اپنے گروہ میں داخل کیا۔

پانچویں برس وہ اپنے باپ سے آخری ملاقات کرنے کپل وستو گئے۔ ان کے پورے باپ نے قضا کی وہ ان کی نعتش جلا کر مہا بن کو واپس آئے۔ ان کی سوتیلی ماں اور بیوی مع چند اور بیویوں کے ان کے ساتھ آئیں ان بی بیوں نے گروہ میں داخل ہونے کی التجا کی مگر وہ اس امر پر رضامند نہ ہوئے۔ آخر کار اند کی وکالتانہ سفارش پر ان کا داخلہ منظور کیا۔ اور کنارہ کش ہو کر الہ آباد کے قریب ایک پہاڑی پر چلے گئے۔

چھتے برس گوتم راج گزی میں واپس آئے اور بہاسر کی رانی چھہا کو اپنے گروہ میں داخل کیا - ان کے ایک مرید نے معجزہ دکھایا مگر انہوں نے معجزہ نہائی کی سخت مہانت کی اور کہا کہ معجزوں کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے —

ساتویں برس ایک دشمن نے ایک عورت کو جس کا نام چنچا تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ گوتم کو زنا کاری کا اتہام لگائے مگر اس کا فریب بہت جلد ظاہر ہو گیا —

آٹھویں برس - گوتم کپل وستو کے قریب ایک پہاڑی پر ہو کر گزرے اور چند نئے آدمیوں کو اپنے مذہب میں شامل کر کے کسہبی کو واپس گئے —

نویں برس - بودہ مذہب کی جماعتوں میں شر و فساد کا ہلکا سا برپا ہوا گوتم نے اس و آسائش پیلا نے کی بہت کوشش کی مگر جب یہ عقدہ فاذن تدبیر سے نہ کھلا تو انہوں نے تنگ آکر اپنے مریدوں کو چھوڑ دیا اور خود تنہا ” پاراپاک “ کے جنگل کو چلے گئے —

دسویں برس قرب و جوار کے دھقانوں نے ان کے لئے ایک جھونپڑا تیار کیا جس میں انہوں نے برسات کاٹی یہاں بودہ مذہب کے سرکش زاہدوں نے انہیں تھوند نکالا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہی - گوتم نے گناہ معاف کئے اور ان سے اچھی طرح پیش آئے اس کے بعد وہ اپنے نائب مریدوں کو لے کر سراوستی ہوتے ہوئے راج گزی پہنچے —

گیارہویں برس - گوتم نے چند اور نامی شخص مرید کئے اور مکدہ اور کوسل کے ملکوں میں وقت گزارا —

بارہویں برس - گوتم نے بڑا اہم سفر کیا اور منتقل  
تک جا کر بنارس ہو کر پلٹے - اس سفر عظیم میں جن جن  
مقامات میں ان کا گذر ہوا وہاں انہوں نے واعظ دئیے —  
تیرہواں برس - مقام چلیا اور سراوستی میں مذہبی  
واعظ و تلقین میں صرف کیا —

چودھویں برس - گوتم سراوستی میں رہے اور اپنے  
فرزند رھل کو واعظ سنا کر کپل وستو کی جانب  
 روانہ ہوئے —

پندرہویں برس کپل وستو کے باہر ایک جنگل میں  
قیام کیا - اپنے چچا زان بھائی موہانم کو جو ان کے باپ  
کی جگہ تخت نشین ہوا تھا ایک مذہبی واعظ سنایا -  
اس کے علاوہ ایک اور واعظ کہا جس میں دکھایا کہ  
راستبازی کو خیرات پر فضیلت ہے —

سولہواں برس - مقام آلاوی میں گذرا —  
سترہویں برس - وہ راج گڑی کو گئے اور وہیں برسات  
کا موسم گذرا - ایک خانگی کسبھی سرپہتی کی میت میں  
واعظ دیا - اب سے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب تک  
بھوکے آدمی کو کھانا نہ کھلائیے اسے واعظ نہ سناتے —

اتھارہویں برس چلیا میں جا کر ایک جولاہے کو جس  
کی لڑکی اتنا قیہ مرگئی تھی پلک و نصیحت کی اور برسات  
گذار کر راج گڑی کو واپس آئے —

انیسویں برس - گوتم نے مگدھ کے رستہ سے سفر کیا  
اور سب گاؤں میں واعظ کہا ایک مرتبہ ایک ہری کو  
پہلے میں پہنسا ہوا دیکھ کر اس کے پاس گئے اور  
اس کے آگے دو ب چرنے کو تالی - شکاری ہگڑا اور ان کے  
مار تالنے کے درپے ہوا - مگر گوتم نے اسے اپنا واعظ



سنایا تو وہ مع اپنے خاندان کے ان کا سرید ہو گیا —  
 بیسواں برس - دیہات و قصبات میں مذہبی وعظ  
 و تعلیم میں گذرا چلیا کے جنگل میں وہ ایک نامی  
 رہزن ”انگولی مل“ کو اپنے لطف و عنایت کے برتاؤ  
 سے راہ راست پر لائے اور بودہ مذہب کا زاہد ہو جانے  
 کی رغبت دلائی —

بودہ کا درجہ حاصل ہو جانے کے بعد اکیسویں برس  
 سے لے کر پینتالیسویں سال تک ہم کو گوتم کی رسالت  
 کے حالات بالکل معلوم نہیں ہیں - شاید اس کا سبب  
 یہ ہو کہ ایک سال کے حالات دوسرے سال کے سوانح  
 سے بالکل مطابق ہوں اس لئے تذکرہ نویسوں نے ان کا لکھنا  
 مناسب نہ سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہو —

گوتم عورتوں کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے چند  
 روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستورات نے اس نئے مذہب  
 کے لئے اپنا جان و مال سب وقف کر دیا اس نامور فرقہ  
 انات میں سراوستی کی رہنے والی ایک عورت ”ہشاکہ“  
 نے بڑی نیک نامی کے ساتھ شہرت حاصل کی - اس نے  
 ایک سایہ دار کنج اہل مذہب کے نذر کی اور ان کی  
 ہود و باش کے لئے قصبہ سراوستی کے مشرقی جانب ایک  
 خانقاہ تعمیر کرائی —

ردیل اور فاحشہ عورتوں کی بھی گوتم کی نظروں  
 میں ویسی ہی وقعت تھی جیسی شریف اور نیک چلن  
 والیوں کی - و اکثر ذی رتبہ اور طاقتور مہائد کی  
 دعوت رد کر کے عام بازاری عورتوں اور خانگی کسبیوں  
 کی دعوتیں قبول کر لیتے تھے - امبا پای - کپل رسو  
 ارز چند اور مقامات میں وہ کسبیوں کے ہاں مدعو

ہوئے تو شرفا میں بڑے چرچے ہوئے اور انہیں یہ امر سخت ناگوار ہوا۔ راج گزی میں ایک خانگی کسبہ سریمتی کی میت میں جا کر انہوں نے وعظ کیا۔ اس وقت لوگوں کو سخت حیرت ہوئی اور تھام مجمع میں سرگردانی اور پریشانی پھیل گئی۔ عورتوں کی اس درجہ قدر و منزلت کرنیکی شاید یہی وجہ تھی کہ وہ دھقان کی لڑکی سوجات کو نہیں بھولے تھے جس نے انہیں عین روحانی و جسمانی گرسنگی کی حالت میں درخت دانش کے نیچے کھاذا کھلایا تھا۔ اس کے یہ الفاظ کہ ”سہاراج ان کھانوں کو تناول فرما کر آپ سیر ہو جائیں گے“ انکے دل سے فراموش نہ ہوئے تھے۔ وہ الفاظ ان کے لئے نیک فال تھے۔ جو نہی دن دھلا اور شام ہوئی انہیں بودہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس سے شاید انہوں نے سوجات کو ملہم غیبی سمجھا تھا اور یونہی وہ کل فرقہ نسوان کو فرشتہ سیرت سمجھتے تھے۔ کیا نیک کیا بد کیا اسیر کیا غریب کیا حسین کیا بد صورت کیا شریف کیا ذلیل وہ سب کے ساتھ یک ساں صحبت سے پیش آتے تھے۔

عمل ان کا قول۔ بودہ مذہب کے زاہدوں کے گروہ کی ترتیب۔ ان کا شغل زندگانی انسانوں کو عمل کی پاکیزگی بتانا ان کی رسالت کا منشا اور ان کو راہ نجات دکھانا ان کا کام تھا۔ ہم ذیل میں دو روایتیں تمثیلاً درج کرتے ہیں جن سے گوتم کے وعظ کہنے کا طریقہ ظاہر ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک جوان لڑکی کا نام کسا کوتھی تھا۔ اس کی شادی ایک اسیر کبیر کے اکلوتے بیٹے سے ہوئی

تھی۔ یہ شادی اُس طرز پر ہوئی تھی جیسا کہ تم اکثر قصے کہانیوں میں پڑھ چکے ہو۔ خیر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر ابھی یہ پاؤں بھی نہ چلا تھا کہ طعمہ مرت ہو گیا۔ اس جوان عورت کی مامتا دیکھتے کہ وہ اپنے مردہ بچہ کو کلیجے سے لگائے ہوئے اپنی مصیبت پر تاسف کرنیوالوں کے گھروں پر دوا مانگتی پھر تی تھی بودہ مذہب کے ایک زاہد نے کہا۔ میری اچھی لڑکی جو دوا تھکو درکار ہے۔ وہ میرے پاس تو نہیں ہے مگر میں ایک عابد کامل کو جانتا ہوں جن کے پاس اس قسم کی دوا موجود ہے۔ کساگوٹھی نے کہا آپ سہر بانی کر کے بتائے وہ کون سے عابد کامل ہیں۔ زاہد نے جواب دیا وہ دوا تم کو تو تم بدہ دیا سکتے ہیں تم انہیں کے پاس جاؤ کساگوٹھی تو تم کے پاس گئی اور قدمبوس ہو کر کہنے لگی۔ ”سو اسی جی آپ کرنی ایسی دوا جانتے ہیں جو میرے بچہ کے لئے مفید ہو ” تو تم نے جواب دیا ” ہاں ہاں ہم جانتے ہیں۔ ” اُس زمانہ میں ایسا طریقہ تھا کہ جو اجزا از قسم جڑی بوٹی اطبا مسیحہ میں تجویز کرتے تھے انہیں بہم پہنچانا خود مریض یا اس کے نیکار داروں کا کام ہوتا تھا۔ اس لئے دساگوٹھی نے دریافت کیا کہ مہارج آپ کو دونوں سے بوٹی درکار ہوئی تو تم نے کہا توہوڑی سے سرسوں لے آؤ کوٹھی نے اس معمولی دوا لے لانے کا جلدی سے وعدہ کر لیا اُس وقت تو تم نے اتنا اور کہا کہ تم یددانے کسی ایسے گھر سے لانا جہاں کسی کا فرزند خاوند۔ ماں باپ۔ باغلام کوئی بھی مرانہ ہو تو تم نے کہا بہتر۔ اور اپنے مردہ بچہ کو لئے ہوئے دوا کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا سرسوں لے دانے جس قدر چاہو لے جاؤ۔ مگر جب اس

نے پوچھا کہ تمہارے ہاں کبھی کوئی موت تو نہیں ہوئی تو وہ بولے یہ تم کیا کہتی ہو زندہ تو معدودے چند ہی ہیں اور مردہ بہت ہیں اسی طرح وہ ہر شخص کے مکان پر گئی۔ کسی نے کہا میرا فرزند ضایع ہو گیا۔ کوئی بولا ہمارے ماں باپ کا انتقال ہو گیا۔ کسی نے اپنے غلام کے مرنے پر افسوس ظاہر کیا۔ غرض کوئی گھر ایسا نہ ملا جہاں موت نہ آئی ہو۔ اُس وقت اُس کے دل سے ظلمت کا پردہ اُٹھ گیا۔ اُس نے صبر کی بھاری سل اپنے سینہ پر رکھ لی جی کڑا کر کے اپنے مردہ بچہ کو جنگل میں چھوڑا اور بودہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی اطاعت قبول کی۔ گوتم نے پوچھا سرسوں کے دانے نہیں لائی۔ اُس نے جواب دیا سوامی جی مجھے کہیں نہیں ملے۔ لوگ کہتے ہیں زندہ تھوڑے ہیں اور مردہ بہت تب گوتم نے اپنے اصلی مذہبی طریقہ میں گفتگو کی اور ہر چیز کا فانی ہونا اس کے دل پر ایسا مرتسم کر دیا کہ اس کے تمام شکوک رفع ہو گئے اور وہ مرید ہو کر مذہبی گروہ میں شامل ہو گئی۔

دوسری روایت یوں ہے کہ ایک مرتبہ کوئی مٹھول برہمن اپنے کھیت سے جس وقت فصل کات کر اناج گھر لایا گوتم بدہ اپنی جھولی لے کر اس کے پاس جا کھڑے ہوئے برہمن نے جھنجلا کر کہا۔ ”میں قلبہ رانی کر کے تعظم ریزی کرتا ہوں اور بڑی معذرت مشقت سے اپنا رزق پیدا کرتا ہوں تم بھی اسی طرح اپنا قوت حاصل کرو۔“

گوتم نے جواب دیا ”میں بھی قلبہ رانی اور تعظم

ریزی کیا کرتا ہوں اور تیری طرح معذرت و مشقت ہی سے اپنا رزق بہم پہنچاتا ہوں —

پروہن نے کہا کہ تم اپنے کو کاشتکار بتاتے ہو مگر میں تم میں کوئی علامت کاشتکاری کی نہیں پاتا۔ تم کاشتکار ہو تو تمہارا کھیت کرنے کا سامان ہل 'بیل' بیج وغیرہ کہاں ہے؟

وہ نے جواب دیا "سنو۔ ایمان میرا تضم ہے جسے میں بوتا ہوں اور نیک کاموں کی بارش سر سبز و شاداب کرتی۔ عقل و حیا میرے ہل کے پرزے ہیں اور میرا دل اسے چلاتا ہے۔ مذہبی قانون میرے ہل کا دستہ ہے۔ شوق و سنجیدگی میرا پیلہ ہے اور معذرت و سعی میرے بیل ہیں اس قلبہ رانی سے مغالطہ کے بیکار خودرو پودے اکھڑتے جاتے ہیں اور جو فصل پیدا ہوتی ہے وہ فراوان کے اسرت پھل ہیں جن کے کھانے سے جملہ تکالیف دور ہو جاتی ہیں —

اعلیٰ رہنما گوتم کی اواخر زندگی کے حالات لکھنے سے پیشتر ہم ان کے چچا زاد بھائی دیودت کی مذہبی مخالفت کا بیان کرنا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس ہوالہوس شخص کو شاید یہہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ میں بودہ کے درجہ سے بھی برتر درجہ پاسکتا ہوں اس لئے اس نے اپنی زیر ہدایت ایک نیا گروہ قائم کرنے کی کوشش سے اجازت چاہی اور تجویز کیا کہ اس گروہ میں ایسے قیود کی پابندی کی جاوے جو گوتم کے اختیار کردہ قواعد سے بدرجہا سخت ہوں۔ راجگری کا پادشاہ اجات سترو اس کا بہت بڑا سرپرست اور معاون تھا۔ زاہدوں کی جہالت میں بہت لوگ اس کے پیرو تھے اور ہوام

میں بھی اُس کو کسی قدر شہرت و عام پسندی حاصل ہو گئی تھی۔ انہیں باتوں نے مل جل کر اُسے اپنے نئے مذہب کی بناء قائم کرنے پر مستعد کر دیا۔ مگر وہ یکایک ایسی جرات نہ کر سکا۔ وہ مذہبی تربیت میں زاہدوں کی ازادی کو پسند نہیں کرتا تھا اُس کی رائے تھی کہ سخت ریاضتوں اور دشوار قیود زندگی اختیار کرنے سے لٹے سب کو مجبور کرنا چاہئے لہذا اُس نے گوتم سے کہا کہ اگر میری تجاویز قبول کرنے میں کچھ وقت ہو تو مجھے اعلیٰ ایک نیا گروہ قائم کرنے کی اجازت مل جائے۔ مگر گوتم نے یہ درخواست منظور نہیں کی اور فرمایا کہ جو لوگ تمہارے مجوزہ قوانین کی پابندی قبول کریں انہیں اختیار ہے مگر میری دانست میں وہ بالکل غیر ضروری ہیں بلکہ نوعمر اور ضعیف الجذہ آدمیوں کو تو ان کی مطلق ضرورت ہو نہیں۔ اکل و شرب کے باب میں میرے نزدیک بوجہ مذہب کے پیروں کو وہی چیزیں استعمال کرنی چاہئیں جو اُن کے ملک میں عام طور سے کھائی ہی جاتی ہیں۔ خواہ وہ درخت کے نیچے بیٹھیں خواہ مکان میں رہیں خواہ برہمنہ رہ کر زندگی بسر کریں۔ خواہ دنیا دہروں کے لیے ہونے کی پڑے پہنیں۔ خواہ گوشت کھا لیں خواہ ترک حیوانات کریں۔ ہر حال میں اُن کا ظاہر ہو جانا ممکن ہے۔ ہمارا خاص مقصد بنی نوع انسان کو نجات کا رستہ بتانا ہے۔ اگر سب کے لئے ایک ہی آئینہ نافذ ہا جائے تو وہ طالبان نجات کے لئے سنگ راہ ہو جائے گا۔

دیودت نے گوتم سے قطع تعلق کر کے اپنا گروہ بنالیا۔ مگر وہ اس گروہ کے قائم کرنے اور بوجہ مذہب کے برباد کرنے



ہی پر قانع نہیں رہا بلکہ اُس نے خود یا شاہ اجات سترو کے ذریعہ سے چند آدمی متعین کر کے تین مرتبہ گوتم کی جان لینے کی فکریں کیں۔ گو ان واقعات کے بعد دیوت بہت دنوں نہ جیا مگر اجات سترو مرتے دم تک بودہ مذہب کا جانی دشمن بنا رہا۔ اس نے سراوستی پر جو بودہ مذہب کا صدر مقام تھا یلغا نر کے تباہی تالی اور کیل وستو کو برباد و تاراج کر دیا۔

گوتم جو آلیسویں سال کا موسم برسات سراوستی میں گزار کر گدسکور (قلعہ کرکس) پر واپس آئے۔ یہ ان پانچ پھاریوں کی چوتھری میں سے ایک تھا بت بلند چوٹی تھی جو راجگڑی کی خوشنما وادی کے نزدیک تھیں اور اس میں ایک کچھا بنی ہوئی تھی یہاں سے وہ امباپلی کی طرف چلے آئے۔ پتہ میں دریائے گنگا کو اس مقام پر عبور کیا جہاں اجات سترو دشمنوں کی روک کے لئے ایک قلعہ تعمیر کرا تا تھا۔ یہ اس شہر کی بنا پر وہی تھی۔ جو بعد کو سلطنت گنگا کا پایہ تخت بن کر تپاتی پتر کے نام سے مشہور ہوا۔ اور جسے آج کل پتہ کہتے ہیں۔

امباپلی سے گوتم نے بیلاو گھنک پہنچ کر پیندالیسویں سال کی برسات کاٹی۔ مگر اسی سال میں وہ سخت بیمار ہو گئے اور انہوں نے قلعہ کیلایہ امر ظہر بردیا کہ اب ہم زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ انہوں نے کہا۔ ”اے درویشو آج سے تیرے مہینہ میں دنیا سے رحلت کر جائیں گے۔ ہماری عمر پوری ہو چکی اور پوہا نہ حیات لبریز ہو گیا ہم تم سے جدا ہو کر یکہ و تنہا سفر آخرت کریں گے۔ اے تصور میں رہنے

والے پاک و رویشو تم ثابت قدم رہنا اور اپنے ارادوں میں مستقل رہ کر خواہشات نفسانی کو اچھی طرح ضبط کرنا۔ جو شخص بے تکان اس قانون اور تربیت کی پابندی کرے گا اس کا تکالیف زندگی کے بحر زخار سے بیڑا پار ہو جائے گا۔ —

بیماری سے افاتہ ہوا۔ اور ہات پاؤں میں چلنے پھرنے کی طاقت آئی تو وہ کشتی نگر کی جانب روانہ ہوئے۔ ”پاوی“ پہنچے تو چندا زرگر نے لحم خنزیر (سور کا گوشت) اور چاول پکا کر ان کی دعوت کی۔ گوتم کھانے سے فارغ ہو کر وہاں سے چل دیئے اور دریائے ککشت کے کنارے پہنچ کر انہیں تکان اور پیاس کی شدت نے مضہعل کر دیا۔ اس لئے یہاں دم لینے کے لئے ٹھہر گئے۔ اپنے پیارے سرید “آند” سے پیلے کے لئے پانی مانگوایا۔ جب پانی پی کر تسکین ہوئی ندی میں غسل کیا اور چند گھنٹے آرام کر کے چل کھڑے ہوئے مگر کشتی نگر پہنچ کر انہیں اپنی موت کے آثار نظر آنے لگے۔ —

بڑے بڑے سریدوں کی زبان پر یہ لفظ جاری تھے کہ جس وقت میں ہمارے پیشوا نے اُس سنار کے ہاں کھانا کھایا ہے جب ہی سے وہ بیمار ہو گئے ہیں۔ یہ گفتگو سن کر گوتم قرے کہ مبادا میری وفات کے بعد دنیا کے لوگ چندا زرگر پر طعن و تعریض کریں یا وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرے اس لئے انہوں نے آند سے کہا کہ جب میں دنیا سے راہی ملک بقا ہو جاؤں تم چندا سے جا کر کہنا کہ تمہیں گوتم مہاراج کے کھانا کھلانے کا اگلے جنم میں نیک صلہ ملیگا اور کہنا کہ یہ لفظ انہیں کو زبان کے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنی عمر میں بہت

لوگوں کے ہاں کھانا کھایا۔ مگر ان میں سے دو شخص پر خدا کی رحمت سب سے زیادہ ہوگی یعنی ایک سوجات جس نے مجھے بدہ کا درجہ پانے سے قبل درخت دانش کے تلے کھانا کھلایا تھا اور دوسرا چندا زرگر جس نے میری وفات سے پہلے مجھے کھانا کھلایا ہے۔

وہ ایک درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ گئے اور بہت دیر تک اپنی تجہیز و تکفین اور چند اُن قواعد کی بابت جن کی پابندی اہل گورہ پر ان کی وفات کے بعد فرض ہوگی انہ سے گفتگو کرتے رہے۔ انہ نے جب اپنے پیارے پیشوا معام سے سنا کہ وہ صرف ایک ہی دن کے سہان ہیں انہا ئے غم سے اس کا کلیجہ پاش پاش ہونے لگا اور وہ ایک گوشہ میں جا کر پیہم اشک باری سے آنکھوں کا بھار نکالنے لگا۔ گوتم نے عرصہ تک نہ دیکھا تو اسے بلایا اور وہ گریہ کو ضبط کر کے اُن کے پاس آ بیٹھا اُنہوں نے تسلی و تشفی کر کے ذروان حاصل ہونے کی امید دلائی اور کہا کہ تم اس قدر کیوں رنج کرتے اور روتے ہو۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ایک دن ہم کو سب اپنے عزیز و اقارب اور جملہ دل پسند چیزوں سے جدا ہونا پڑے گا۔ کوئی ذی روح یا غیر ذی روح اپنی فانی صفات سے جو قدرت نے اس کی فطرت میں ودیعت کر دی ہیں علاحدہ نہیں ہو سکتا۔ اب انہ مدت تک گفتار و کردار۔ ترحم و تصور میں نہیں مجھ سے قربت حاصل رہی ہے اور ہمیشہ تم نے ہر بات میں اپنے آپ کو اچھا ثابت کیا ہے۔ پس اسی پر قائم رہو۔ تم بھی خواہشات دنیا اور قید جہالت سے آزاد ہو جاؤ گے۔ پھر کو تم اور سریدونکی جانب مخاطب ہو کر انہ

کی رحم دلی اور ژرف نگاہی کا ذکر کرتے رہے —  
 اب اُن کی حالت ردی ہونے لگی اور وہ ایک درخت کے  
 سایہ میں بیس و حرکت پڑے رہے۔ رات کی درازی  
 کا بیان کرنا دشوار ہے۔ ایک ایک گھڑی ایک ایک  
 سال کے برابر گزرتی تھی۔ اُن غمگین مریدوں نے اُن کی  
 تیار داری میں ساری رات آنکھوں میں کاتی۔ نصف  
 شب کے وقت ایک برہمن فلسفی کچھ سوالات دریافت  
 کرنے کے لئے بدھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر اذند  
 نے اس خیال سے کہ جان بلب مرشد ہیں مباحثہ کی  
 طاقت نہ تھی فلسفی مذکور کو اُن کے پاس جانے سے  
 روکا۔ یہ قیل و قال سنکر گوتم نے دریافت کیا۔ اور  
 حال کہا گیا تو انہوں نے برہمن کو بلا لیا —

فلسفی کے سوالات سنکر گوتم نے کہا بھائی یہ وقت  
 ایسے مباحثوں کا نہیں ہے میں اپنے مذہب کا و غلط کہتا  
 ہوں تم توجہ سے سنو۔ ” نجات بخیر طہارت و تقویٰ  
 کے نہیں حاصل ہوسکتی۔ یعنی جب تک طہارت کے آتھہ  
 طریقے جن میں پہلا پاکیزگی اور آخر کار عشق الہی  
 ہے اختیار نہ کئے جائیں نجات ملنا امر محال ہے —

برہمن کے چلے جانے کے بعد گوتم نے اذند سے کہا۔ ” شاید  
 تم سمجھتے ہو گئے کہ ہمارے مرشد کو سفر آخرت پیش  
 آیا اور ہمارا کام ختم ہوا۔ مگر ہرگز ایسا خیال نہ کرو  
 اور میرے بعد میرے مذہب اور مذہبی تعلیمات  
 کو جو میں نے تمہیں تلقین کی ہیں اپنا مرشد اور  
 معلم سمجھو۔ “ —

ایک لمحہ بعد انہوں نے چھوٹے پڑے اہل گروہ کے  
 باہم خطاب کرنے کا قاعدہ بتایا۔ اُن کے تمام قواعد

مختصرہ میں سے یہ آخری قاعدہ تھا —  
ذرا آرام کر کے اُتھے تو اُنہوں نے ایک شخص چان ناسی  
کے لئے سزا تجویز کی جس نے کسی معاملہ میں بے جا  
کلام اپنی زبان سے نکالے تھے۔ یہ ان کا آخری کام  
تھا جو اُنہوں نے مذہبی گروہ کے سرپرست اور پیشوا  
کی حیثیت سے کیا —

اس کے بعد وہ ایک یا دو گھنٹے تک خاموش رہے۔  
پھر اپنے مریدوں کو پاس بلا کر کہا۔ ”اگر تمہیں کسی  
بات میں کچھہ شک و شبہ ہو تو وہ اس وقت رفع  
کر لو تا کہ تم کو اس بات کا افسوس نہ ہو کہ جب  
موقع تھا ہم نے اپنے شکوک رفع کیوں نہ کر لئے۔“  
مگر کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور سب کی آنکھوں  
سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے —

پھر اُنہوں نے تھوڑی دیر توقف کر کے کہا۔ ”اے  
درویشو اب میں تمہارے دلوں پر مرتسم کئے دیتا  
ہوں کہ دنیا میں کل اشیا کے اجزا فنا پذیر ہیں۔  
تمہیں چاہئے کہ اپنی سرگرم کوششوں سے نجات  
حاصل کرو“ —

یہ اس اعلیٰ رہنما کے آخری لفظ تھے۔ تھوڑی دیر  
میں اُن کے قوی مضہعل ہو گئے اور وہ اسی حالت جذب  
کو سدھار گئے —

افسوس سدھار تھے گو تم بدہ نے وفات پائی۔ یہ وہی  
قدسی صفات گو تم تھے جن کی شاہزادگی پر کسی وقت  
باشندگان کپل وستو کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ وہی  
رہنما تھے جنہیں درخت دانش کے نیچے بدہ کا درجہ  
ملکر علم لدنی حاصل ہوا تھا۔ اُن دنیا کا اعلیٰ واعظ

## وہلما بان ہلہ

اور اکہل فلسفی رحلت کر گیا۔ ہائے وہ آفتاب جو  
 مذہبی فلسفہ کے نصف النہار پر پہنچا۔ جس نے  
 اپنی تیز کرنوں کی ضیا سے اس ظلمت کدہ کی تاریکی  
 کو دور کر کے راہ نجات منظور کر دی جس نے اپنے  
 نورانی فیض سے ابدی خوشی کے مندر کی کنجی انسان  
 کے ہات میں سوئپ دی۔ مغربی اُفق میں دنیا سے اپنی  
 دھیمہ دھیمہ شعاعیں سہیتتا ہوا آہستہ آہستہ  
 ہروب ہو گیا۔



## تعلیمات گوتم بدھا

گوتم بدھا کی سوانح عہری میں بیان ہوچکا ہے کہ ان کو درخت دانش کے نیچے ایک علم حاصل ہوا تھا مگر وہ کیا تھا اور کیونکر حاصل ہوا اس کا بیان ان تعلیمات میں کیا جائے گا۔ جس زمانے میں ان کا ظہور ہوا سری کرشن کی اعلیٰ تعلیمات (افعال بلا خواہشات نفسانی۔ علم اور عشق) لوگوں کے دلوں سے معور و فراموش ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ غفلت کے سبب لوگ ان سے بے التفاتی کرنے لگے تھے۔ البتہ نجات کی تمنا میں چند نفوس لق و دق جنگلوں میں بیٹھے ہوئے جوگ کی ریاضتیں کر رہے تھے۔ یا کچھ لوگ تصور و مراقبوں میں مستغرق چند پہاڑوں کی ایسی کھوہوں میں معتکف تھے جہاں انسانوں کا گذر دشوار تھا۔ مگر یہ معدودے چند ہی تھے اور ان کی کامیابی یا ناکامی کو عوام الناس کی خوشی اور بنی نوع انسان کے ذریعہ نجات سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ پجاریوں اور دانشمندوں نے حصول نجات کے بہت سے مسائل ذہنی اختراع کئے۔ قربانیوں کے بیسہار طریقے ایجاد کئے۔ پرستشوں کو بہت سی شکلیں نکالیں علم غیب اور بعیدالفہم تصوت کی تلاشیں کیں۔ غرض دنیوی تکالیف سے نجات پانے اور راحت دائمی حاصل کرنے کے تقریباً ایک ہزار ایک ذرائع

و وسائل اس وقت انسان کو معلوم ہوئے اور ان کی آزمائشیں کی گئیں۔ مگر ان سے انسانی تکالیف کے دور کرنے میں کچھ بھی مدد نہ ملی۔ بیچارے انسان نجات کی جستجو میں ظالم پجاریوں اور خود غرض اہل مذہب کے دام تزییر میں پھنسنے ہوئے تھے۔

جب گوتم اپنے والد کے قصر شاہی سے نکل کر راحت داریں کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے تھے اس وقت ہند میں مذہبی دنیا کی یہی حالت تھی انہوں نے سب دینی قیود اختیار کئے۔ کل مذہبی قربانیاں اور رسوم ادا کئے۔ ان پابندیوں کو پجاری ذریعہ نجات بتاتے تھے۔ مگر افسوس بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سب ان کے تھکوسلے اور روپیہ پیدا کرنے کی تدبیریں تھیں۔ پریشانی اور یاس کی حالت میں انہوں نے گنجان جنگلوں میں بیٹھ کر وہ ریاضتیں کیں جو نجات کا زینہ اور مغفرت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں اور جن کے دانشمند اور زاہد اجارہ دار بنے بیٹھے تھے۔ اس کے بعد مدتوں معزن علوم میں سر کھپایا۔ اور ہزاروں کتابوں کا شبانہ روز مطالعہ کر کے بدقت و دشواری ان کے مطالب پر آگہی حاصل کی۔ ذریعہ نجات اور راہ بہشت کی جستجو میں ہر ایک فلسفہ کو پڑھا۔ ہر علم معرفت کو تھوڑا۔ مگر افسوس کسی سے تسکین نہ ہوئی چھ سال تک سخت مجاہدہ اور جوگ کی دشوار ریاضتیں کیں مگر راہ نجات کا پتہ نہ لگا۔ پھر چھ سال تک استغراق مراقبہ اور یکسوئی تصور میں وقت صرف کیا۔ اس میں بھی حسرت نصیبی اور محرومی طالع نے پیچھا نہ چھوڑا۔ بالآخر

زندگی کی کلفتوں سے بہ تازگی اور کم فصیحی سے پریشان ہو کر انہوں نے جنگل کا قیام ترک کیا اور جوگ تصور کو خیر باد کہہ کر درخت دانش کے فیچے آبیٹھے۔

دن تھلا۔ شام کی ہلکی روشنی آہستہ آہستہ دھندلی ہونے لگی اور پیشتر اس سے کہ رات کی ظلمت سے تاریکی کے گہٹا توپ باں چھا کر تھام عالم میں اندھیرا گھپ ہو جائے ایک مشہور یونانی \* حکیم کی طرح گوتم نے شور مچا کر کہا۔ ”میں نے اسے پالیا“ میں نے اسے پالیا“

\* یہاں یونانی حکیم (Archimdes) ارشمیدس سے مراد ہے یہ اعلیٰ درجہ کا مہندس اور فلاسفر ہبوط آدم علیہ السلام سے ۵۶۸۲ برس بعد پیدا ہوا اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر مجھے اپنے پاؤں تکانے اور علمی آلات رکھنے کے لئے جگہ مل جائے تو جر ثقیل کے قاعدے سے گرا زمین کو بڑی آسانی سے اٹھالوں۔ اسی فلاسفر نے دو ہزار برس قبل اجسام کا خاص نقل یا دھانوں کا اصل وزن صنفی دریافت کرنے کا قاعدہ ایجاد کیا۔ روایت ہے کہ ہیر و شاہ مکتوز نے ایک طلائی ناچ تیار کرایا تھا جس میں اسے شک ہو گیا کہ زرگر نے کچھ مقدار چاندی کی بھی داخل کی ہے مگر اس آزمائش کے دریافت کرنے کا کوئی طریقہ اس کے ذہن میں نہ آتا تھا آخر کار شاہ مذکور نے حکیم ارشمیدس سے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کہا۔ اسی وقت سے حکیم فوراً خود کو مستغرق رہنے لگا۔ ایک دن وہ غسل خانے میں نہا رہا تھا کہ یکایک بنے ہوئے زیورات میں کھوت دریافت کرنے کا اصلی قاعدہ اسے معلوم ہو گیا اور وہ عالم مسرت میں ایسا (بقیہ صفحہ آئیندہ)

جس شے کی تلاش تھی وہ آخر کار مل گئی دقیق مسئلہ  
انسانی حل ہو گیا اور حصول نجات کا ذریعہ معلوم ہو گیا —  
لہذا اللہ ہر آن چیز کہ خاطر میں خواست  
آمد آخر ز پس پردہ تقدیر پدید  
مگر اس سوال کا جواب ابھی باقی ہے کہ وہ کیا  
چیز تھی جو درخت دانش کے نیچے معلوم ہوئی؟  
سری کرشن کی وفات سے تقریباً دو ہزار برس بعد دنیا  
کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ پرانی چیزیں دست برد  
زمانہ کے ہاتھوں نیست و نا ہون ہو کر نئی چیزیں ان  
کی جگہ پیدا ہو گئی تھیں۔ انسان پھر اسی درد و الم  
میں مبتلا ہو کر دریاے معاصی میں غوطے کھا رہے تھے۔  
ادائے فرائض میں کمی آگئی۔ فسق و فجور برآ گیا۔  
انسان جرم و معصیت کے عہیق غاروں میں اترتا چلا جاتا

بقیہ حاشیہ پر صفحہ گذشتہ

ار خود رفتہ ہو گیا کہ فصل خانہ سے نلکا مادر زاد یونانی زبان  
میں ”بورک بورک“ کہتا ہوا نکل آیا جس کے معنی ہوں  
کہ ”میں نے لے لیا“ ”میں نے اُسے پالیا“ مکن پر پہنچ کر اس نے  
ایک خالص سونے کا ٹکڑا لیکر پانی میں ڈال کر وزن کھا تو معلوم ہوا کہ  
سونے کے کل وزن میں سے —<sup>۱۹</sup> و ان حصہ کم ہو گیا اس سے یہ  
نتیجہ صریح نکلا کہ خالص سونے کا وزن پانی کے وزن سے ۱۹ x ۱  
یعنی انہیں گنا زیادہ ہے پھر شاہ کے تاج کو وزن کھا تو معلوم  
ہوا کہ وہ —<sup>۱۹</sup> وین حصہ سے بہت زیادہ کم اترا۔ اس لئے  
ثابت ہو گیا کہ تاج زر خالص کا بنا ہوا نہ تھا اور اسی قاعدہ  
کے بموجب سدا نے کھوت ملانے کی واجبی طور سے  
سزا پائی — مترجم

تھا۔ خدائے تعالیٰ جل شانہ کو ( جس کا عشق انسان کے ساتھ وہم و خیال سے باہر ہے ) پھر اس امر کی ضرورت معلوم ہونے لگی کہ وہ عالم فانی میں ورود فرما کر نیکوں کی حمایت کرے اور بدوں کو سزا دے اور راہ بہشت دکھا کر دائیہ راحت کی سلطنت کی طرف رہنمائی کرے۔ پس فوراً خدا گوتم کے قالب میں جب وہ آرزو منداناہ سر گرسی کے ساتھ اپنے اور کل بنی نوع انسان کے لئے نجات کا ذریعہ تہوند رہے تھے جاوہ گر ہوا۔

جو جاوہ گوتم نے یکا یک دیکھا اور جو ذریعہ نجات ان کو معلوم ہوا وہ بعینہ وہی تھا جو سری کرشن نے اپنی زبان فیض ترجمان سے بیان فرمایا تھا یعنی فعل۔ علم عشق۔

یہ خیال کرنا بڑی غلطی کی بات ہے کہ گوتم نے سری کرشن کے مذہب سے تجاوز کر کے ایک نئے مذہب کے وعظ کہے۔ گوتم نے خود اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ جب دنیا میں فسق و فجور بڑھ جاتا ہے۔ انسان کو نیکی اور طہارت تلقین کرنے کے لئے بدہ کا اوتار ہوتا ہے۔ مجھ سے پہلے بھی بدہ ہو چکے ہیں اور میرے بعد بھی بہت سے بدہ ہوں گے۔ شاید بدہ نے سری کرشن کا نام بھی سنا نہ تھا۔ ان کی تعلیمات کا یہی مطالعہ نہ کیا تھا مگر جو کچھ انہوں نے انسانوں کو تعلیم کیا وہ سن و عن سری کرشن کی ان تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو انہوں نے دو ہزار برس پہلے کی تھیں۔ وہ دونوں خدا تعالیٰ کے اعلیٰ اوتار تھے ان کی تعلیمات میں کیونکر فرق ہو سکتا ہے۔

چونکہ ان دونوں رہنماؤں کا دو مختلف زمانوں میں

## رہنمایان ہند

ظہور ہوا تھا اور ان کے مقاصد بھی مختلف تھے لہذا قدرتی طور پر ان کی تعلیمات میں اکثر مواقع پر اختلاف ہونا ممکن ہے۔ مگر ہم ابھی دکھائیں گے کہ وہ اصولاً ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور دونوں تعلیمات کے اصول جن پر وہ مبنی ہیں ایک ہی ہیں۔

بدھ اور سری کرشن کا فلسفہ یکساں ہے۔ دونوں کا قول ہے کہ دنیا مبدل ناپائدار بلکہ خواب و خیال ہے۔ فعل برتر قوت متحرکہ ہے۔ افعال سے نتائج۔ نتائج سے تناسب اور تناسب سے تکالیف مصائب اموات اور شیون و ماتم ہوا کرتے ہیں بدھ فرماتے ہیں ”جیسا بوڑھے ویسا کاتو گے“۔ بدھ نے فعل (کرم) کو اول درجہ کا قرار دیا ہے سری کرشن نے بھی افعال ہی کو سب پر فائق مانا ہے۔ بدھ فرماتے ہیں ”ہر چیز کو فنا ہے مگر فعل قائم بالذات ہے اور افعال سے نتائج مستخرج ہوا کرتے ہیں۔ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسا اگلے جنم میں تمہیں ان کا پھل ملے گا۔ جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔“

کرم۔ (فعل) پر جو انسان کا کاتب تقدیر ہے کیونکر قبضہ حاصل ہو سکتا ہے؟ بغیر افعال کے انسان ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا عام اس سے کہ وہ افعال ظاہری ہوں یا باطنی۔ افعال ہی انسان کو دنیا میں مصیبت زدہ رکھتے ہیں اور یوں ہی وہ بہت سی حیات و مہات میں رکھیں گے۔ گوتم فرماتے ہیں ”نروان حاصل کرنے سے انسان کو افعال سے نجات ملتی ہے“۔

نروان کیا ہے؟ بدھ فرماتے ہیں۔ ”جو شخص ضبط نفس کرتا ہے وہ اپنی ذاتی تربیت سے نروان کے ذار پامال



رستہ میں قدم دھرتا ہے “ ( دھرم پد - ۱۶۰۵ )  
 بدہ فرماتے ہیں ” جو شخص خاموشی کے ساتھ ہر بات  
 کی برداشت کر لیتا ہے اس کو نروان حاصل ہو جاتا ہے “  
 ( ابید - ۵ - ۱۳۴ )

خواہش بدترین امراض میں سے ہے - جب یہ بات  
 انسان کی سہجہ میں اچھی طرح سے آجاتی ہے تو  
 اسی حالت کو نروان کہتے ہیں “ ( ابید - ۵ - ۲۰۳ )  
 ” سالتی ( آسمانی راحت ) نروان ہے اور یہی نہایت  
 اعلیٰ درجہ کی خوشی ہے “ ( ابید - ۵ - ۲۸۵ )

یہاں ہم ایک مشہور سنسکرت زبان کے فاضل کی  
 کتاب سے ایک عبارت اقتباس کر کے درج کرتے ہیں -  
 ” راحت میں روح کے داخلہ کا دروازہ نروان ہے - روح  
 کی راحت میں داخل ہونے سے تمام خواہش و ارمان کا  
 مطیع کرنا اور رنج و راحت کا محسوس نہ ہونا مراد  
 ہے - یہی کو بدی - نیکی کو نیکی نہ سہجہنا روح کا  
 روح میں فنا ہونا دائرہ ہستی سے رہا ہو کر مرگ و  
 زیست کے چکر سے رہائی پانا نروان ہے - “ ( میکس سوار )  
 نروان کے لفظی معنی نیست و نابود یا فنا ہو جانے  
 کے ہیں - فنا ہو جانے سے کس شے کو فنا ہونا مراد  
 ہے ؟ مذکورہ بالا اقتباس سے بخوبی ثابت ہے کہ فنا  
 ہونے سے مراد خواہشات کا فنا ہونا ہے جس سے مراد ہی  
 معنی دل کے فنا ہونے کے ہیں - دل فنا ہو جانے کی  
 حالت ہی کو نروان کہتے ہیں - مگر اس سے یہ مطلب  
 نہیں ہے کہ نروان مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے - جیتنے  
 ہی انسان کو نروان مل سکتا ہے - بدہ کو حیات ہی  
 میں نروان حاصل ہوا تھا جو زندگی میں نروان پاتے  
 ہیں انہیں بدہ ارہت کہتے ہیں - ایک ارہت کا قول

ہے - ” وہ مجھے زندہ رہنے کی تمنا ہے نہ مرنے کی آرزو “ میری خواہش فنا ہو چکی ہے اب میں صرف اپنی ہستی کا خاتمہ کرنے کے لئے مقررہ وقت کا منتظر ہوں “ —

سری کرشن نے فرمایا تھا کی تم اپنی خواہشات یعنی دل کو فنا کرو - بدہ فرماتے ہیں ” نروان حاصل کرو “ جس کے یہی معنی ہیں کہ اپنی خواہشات یعنی دل کو فنا کرو —

نروان کے معنی بدہ اُس کے سوا اور کچھ نہیں بتاتے وہ فرماتے ہیں کرم ( فعل ) برتر ہے - کرم ہی ہمارے مقدر کا حاکم - ہمارے آئندہ جنم کا سبب اور ہماری جملہ تکالیف کا باعث ہے - اس کے ساتھ ہی انہوں نے وہ ذریعہ بھی بتایا ہے جس سے فعل غیر موثر ہو کر آئندہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا اور وہ خواہشات کا یک لذت فنا کر دینا ہے - مگر جب تک دل فنا نہ ہو یہ امر ممکن نہیں - اس مسئلہ پر ہم سری کرشن کی تعلیمات میں بہت کچھ بحث کر چکے ہیں - پس فنائے دل کے سوا نروان کے اور کچھ معنی نہیں ہو سکتے - کیا اب بھی کسی صاحب کو سری کرشن اور بدہ کی تعلیمات کی مطابقت میں شک ہو سکتا ہے ؟ بدہ نے بھی دل ہی کو فنا کرنا تعلیم کیا ہے - صرف فرق اتنا ہے کہ بدہ نے اُس حالت کا جس میں دل فنا ہو جاتا ہے نروان نام رکھا ہے - اور سری کرشن نے کوئی نام نہیں رکھا —

مگر بدہ کا اوتار اس سے بھی زیادہ کام کرنے کے لئے ہوا تھا - مذکورہ بالا اصول کو سری کرشن نے

حتی الامکان نہایت صاف الفاظ میں بیان فرمایا تھا تو بھی انسان اُس کے سمجھنے میں قاصر رہے اور اصلیت سے تجاوز کر کے اُس میں نئے معنی پنہا دئے بدہ نے ظہور فرما کر اس بجھی ہوئی شمع کو روشن کر دیا اور غلط فہمیوں کو تشریح سے رفع کر دیا —

بدہ فرماتے ہیں - ” نجات کا ذریعہ ذروان ہے جس کے معنی دل کے فنا کر دینے کے ہیں “ جب تک انسان زندہ ہے اُس سے فعل کا صدور ہوگا - کیونکہ فعل ہستی ہے - لہذا خواہشات اور دای اغراض کے بغیر عمل کرنا چاہئے تاکہ افعال سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہو - یہی سری کرشن نے فرمایا تھا - مگر اُن کا قول عرصہ تک موثر نہ رہا اور انسان اُسے فراموش کر کے پھر گرفتار رنج و معن ہو گئے —

اب دیکھنا چاہئے کہ بدہ نے اس شمع کو روشن کرنے کے لئے کیا کیا - سری کرشن نے فرمایا تھا - ” خدا پر بھروسہ کرو “ صرف یہی ایسا ذریعہ ہے جس سے تمہارا دل فنا ہو سکتا ہے مگر انسان اس کی تعمیل میں مجبور ہے بلکہ اُن کے لئے یہ ایک ناممکن امر تھا اس لئے بدہ کو خیال ہوا کہ خدا کی جگہ کوئی اور شے قائم کی جائے تو بہتر ہوگا لہذا اُنہوں نے فرمایا ” اپنے آپ پر بھروسہ کرو “ —

انہوں نے دیکھا کہ خدا پر پورا بھروسہ کرنا انسان سے ناممکن ہے کیونکہ خدا پر بھروسہ کرنا اصل میں اپنے آپ کو بہلا دینا ہے - جو قریب قریب ناممکن امر ہے اس لئے اُنہوں نے یہ اعلیٰ اور برتر طریقہ نکالا

## رہنمایان ہند

جس سے بتدریج انسان کو نراون کی حالت حاصل ہو جاتی ہے —  
 کیا بدہ منکر خدا اور دھرئیے تھے؟ بڑے افسوس کا  
 مقام ہے کہ لوگوں نے خاص خدا کے اوتار کو ملحد سمجھا۔  
 ہم نہیں جان سکتے کہ بدہ جن کے قالب میں نور الہی  
 جلوہ گر ہوا تھا خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے تھے —

جب انہیں درخت دانش کے نیچے بدہ کا رتبہ ملا  
 انہوں نے پکار کر کہا تھا ” اے کالبد خاکی کے بنائے  
 والے جب تک میں نے تجھے نہیں پایا تھا مجھے بہت  
 سی حیات و مسات میں گزرنا پڑتا تھا اور وہ سب درد انگیز  
 حالتیں تھیں مگر اب میں نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ مجھے  
 امید ہے تو اس کالبد خاکی کو پھر نہ بٹائے گا۔ دل نے  
 دولت نراون حاصل کی۔ تہام خواہشیں فنا ہو گئیں۔ “  
 ( دھرم پد - ۵ - ۱۵۳ )

کیا یہی العباد ہے؟ بدہ کو دھر یہ کہنے کا سبب  
 ہم کو اچھی طرح معلوم ہو سکتا وجہ یہ تھی کہ بدہ کا  
 درجہ حاصل ہونے کے بعد گوتم نے پھر کبھی خدا کا نام  
 نہ لیا اور بدھوں کو کل دیوتاؤں کے خدا پر فضیلت  
 دی۔ جو خدا وہ خود تھے اُس کا ذکر کیوں کرتے مگر  
 انہوں نے بدہ کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا۔ نہ کبھی  
 یہ کہا کہ بدہ مثل دیگر انسانوں اور دیوتاؤں کے ہے۔  
 انہوں نے خدا کا نام بدہ رکھا تھا۔ جو وہ خود تھے۔ کیا  
 یہ امر ممکن ہے کہ خدا کا اوتار اپنے آپ کو خدا  
 سے جدا سمجھے؟

سری کرشن نے اپنی تعلیمات میں اپنے آپ کو خدا  
 کہا تھا۔ انہوں نے بھی کبھی دوسرے خدا کا نام نہیں  
 لیا۔ جب انہیں خدا کا لفظ کسی جگہ کہنا ہوتا تھا تو

وہ اُس جگہ واحد متکلم کی ضمیر بولتے تھے یعنی اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ مگر کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ملحد یا دھریے تھے۔

گوتم اور ان کے کل پیروؤں نے خدا کا نام بدہ رکھا تھا۔ وہ بدہ کے معتقد تھے اور خون بدہ ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا ہر شخص میری طرح بدہ ہو سکتا ہے۔ جب انسان کو فروان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بدہ ہو جاتا ہے۔ جہالت سے انسان اپنی دنیاوی ہستی اور خدا کو علیحدہ علیحدہ محسوس کرتا ہے۔ جب جہالت جاتی رہتی ہے وہ اپنے آپ کو بدہ کے درجہ میں پاتا ہے۔ کیا یہ سری کرشن کی تعلیمات کے خلاف ہے؟

دونوں کی تعلیمات میں فرق اتنا ہی ہے کہ ایک نے نجات حاصل کرنے کے لئے خدا پر بھروسہ کرنے کی ہدایت دی۔ دوسرے نے خدا کو فروان کے حاصل کرنے میں علیحدہ رکھا۔ سری کرشن نے فرمایا ”مجھ پر بھروسہ کرو اور تم کو معلوم ہوگا کہ میں اور تم ایک ہو گئے“ بدہ نے کہا ”اپنے اوپر بھروسہ کرو اور بدہ ہو جانے کی آرزو رکھو“۔

مگر حقیقت میں ان دونوں تعلیمات کا ایک ہی مطلب ہے سری کرشن نے فرمایا ”مجھ پر بھروسہ کرنے سے تمہاری خواہشیں نیست و نا بود ہو کر تمہارا دل فنا ہو جائے گا پھر تمہارے افعال سے نتائج پیدا نہ ہوں گے اور ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ افعال کے خاتمہ سے ہستی جاتی رہے گی۔ مگر تو بھی تم اپنے آپ کو ایک نا ممکن الادراک ہستی میں پاؤ گے اور یہ آسمانی پائدار اور غیر مبدل ہستی ہوگی“۔ بدہ نے فرمایا۔ ”اپنے اوپر

بہروسہ کرو اور نجات حاصل کرنے کی خود کوشش کرو۔  
 نروان سے نجات حاصل ہوگی۔ نروان حاصل کرنے کے لئے  
 اپنی خواہشات اور اپنے دل کو فنا کرو۔ دل کے فنا ہونے  
 سے ظاہری اور باطنی ہر قسم کے افعال موقوف ہو کر دنیوی  
 ہستی فنا ہو جائے گی اور تم بدہ ہو جاؤ گے ” سری کرشن  
 کہتے ہیں۔ ” تم اپنے آپ کو ایک نامہکن الادراک خوشی  
 کی حالت میں پاؤ گے۔“ بدہ بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ  
 بدہ کا درجہ بھی ایک نامہکن الادراک خوشی کا عالم ہے۔  
 ” خدا پر بہروسہ رکھو “ اس اصول میں کاسیابی نہ  
 ہوئی۔ یا یوں کہو کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ بڑا دقیق  
 مسئلہ تھا۔ اس لئے دوسرے رہنما نے حصول نجات کا دوسرا  
 طریقہ ” اپنے آپ پر بہروسہ کرو “ بتایا اور علم کو سب پر  
 فضیلت دیکر وہ اعلیٰ علی طریقہ ایجاد کیا جس کے  
 ذریعہ سے انسان رفتہ رفتہ بدہ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔  
 بدہ نے حصول نجات کے لئے جو طریقہ بتایا وہ کیا تھا؟  
 انہوں نے مقلدین مذہب کو دو جدا گانہ گروہ میں تقسیم  
 کیا۔ پہلا گروہ گدا گروں کا دوسرا دنیا داروں کا۔ دونوں  
 گروہوں کے ممبروں کو کرم یعنی عمل کی ہدایت دی۔  
 گدا گروں کے تین کام تھے ( ۱ ) علم حاصل کرنا ( ۲ )  
 دنیا داروں کو تعلیم و تلقین کرنا ( ۳ ) حصول نجات کے  
 لئے سعادت کرنا۔ اسی طرح دنیا داروں کے بھی تین  
 کام تھے ( ۱ ) زاہدوں سے علم سیکھنا۔ ( ۲ ) فرائض خانہ  
 داری کا ادا کرنا ( ۳ ) زاہدوں کی خور و نوش کا  
 بند و بست رکھنا۔  
 نجات حاصل کرنے کے لئے تحصیل علم پہلا ذینہ۔ خاص افعال  
 اور پاک زندگی دوسرا ذینہ اور عشق عالم تیسرا ذینہ تھا۔



خواہشات کو نیست و نابود اور دل کو فنا کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں ہے مگر نروان کے معنی دل کو فنا کرنے کے ہیں۔ پس جو شخص اس اعلیٰ درجہ کے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے اسے پہلے عام حاصل کرنا چاہئے۔ پھر دلی قوتوں کو پیدا کر کے ان کی تکمیل کرنی چاہئے خصوصاً عشق اور اس کے توابعات 'رحم'، 'خیر اندیشی' وغیرہ میں کمال حاصل کرنا چاہئے۔ سری کرشن نے فرمایا ہے کہ افعال ہو کے ذریعہ سے افعال کا مت جا نہ سکن ہے۔ اسی طرح دل ہی کی تکمیل سے دل فد ہو سکتا ہے۔

انسانی دل میں سب سے زیادہ بے تعلقی پیدا کرنے والی قوت کونسی ہے؟ اگر ہم کو حصول فحشات کی خواہش ہے تو لازم ہے کہ ہم اپنی خواہشوں کو فنا کر دیں۔ ہم کو اس طرح پر کام کرنا چاہئے جس سے موجودہ اور آئندہ زندگیوں کا کوئی ذاتی نفع مقصود نہ ہو۔ یعنی ہم کو بے غرضانہ کام کرنا سیکھنا چاہئے مگر وہ کونسا کام ہے جس کے کرنے میں نفع ذاتی کی خواہش نہیں ہوتی؟ ہم امید کرتے ہیں کہ سب لوگ متفق رائے قبو کریں گے کہ ایسا کام عشق ہے۔ انسان بے غرضانہ عشق کرسکتا ہے۔ ہم انسانی زندگی کی ہر حالت میں دیکھتے ہیں کہ اکثر مرد و زن ایک دوسرے کو بلا کسی غرض کے محبت کرتے ہیں۔ عشق ہی کی غرض سے عشق کرنا ممکن ہے بے غرضانہ عشق کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ بدہ فرماتے ہیں "تحصیل علم سے"۔

علم سے دل کی تربیت ہوتی ہے۔ دل کی تربیت

سے دلی قوتوں کی تکمیل اور دلی قوتوں کی تکمیل سے عشق عالم پیدا ہوتا ہے۔ یعنی قدرت کاملہ اور قہر تلی اشیا کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے بالآخر نروان حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا نروان یعنی حصول نجات کے لئے علم نہایت ضروری اور مقدم چیز ہے۔ بدہ نے علم کو اول درجہ کا رتبہ دیا اور ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا طریقہ نکالا جس سے انسان علم حاصل کرسکتا ہے۔ —

اُن کے زاہدوں کو نہایت ضروری فرائض تحصیل علم اور ترویج علم تھے۔ وہ خانقاہوں میں رہ کر اپنی زندگی عام کی تحصیل میں بسر کرتے۔ سیدھی سادی طرز معاشرت اختیار کرتے۔ در در بھیک مانگتے۔ گھر گھر عام پھیلاتے اپنے اوقات دماغی تربیت اور اخلاق دوستی میں صرف کرتے۔ انسانوں کو طہارت کی زندگی تعلیم کرتے۔ نیکی اور عشق کی نہایت عمدہ مثالیں بتاتے۔ غرض جو کچھ کام وہ انسانوں کے لئے کرتے اس میں صلہ پانے کی بالکل خواہش نہ رکھتے۔ خواہشات کے فنا کرنے میں یہ اُن کا پہلا مرحلہ تھا۔ جب انسانوں کے ساتھ بے غرضانہ نیکی کرنے میں اُن کو پوری پوری کامیابی ہو جاتی تو وہ موجودہ یا آئندہ ذاتی خوش حالی کی خواہش دل سے دور کرتے تھے جو شخص کل معاملات دنیا میں کہا حقہ بے غرضانہ عمل کرسکتا ہے وہ بے شک کسی وقت اپنے حق میں بھی ویسا ہی کرسکتا ہے۔ کسی زاہد کو جب یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ارہت ہو کر نروان کے دروازہ اور بدھیت کے رستہ میں پہنچ جاتا ہے۔ —

فالباً اس سے بہتر اور سادہ تر مذہب کے وعظ دنیا

میں کبھی نہیں دئیے گئے۔ عام میں کمال حاصل کرو۔ اپنی زندگی کو کامل طور پر پاک بناؤ۔ حصول علم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تمہارے افعال قاطبتاً پاک و طاہر ہو جائیں گے۔ عالم کی کل اشیاء کے ساتھ بے غرضانہ نیکی کرنے میں اپنی زندگی صرف کرو عام اس سے کہ وہ چیزیں فی روح ہوں یا غیر ذی روح۔ بے غرضانہ عمل سے رفتہ رفتہ تم کو کل عالم کا عشق پیدا ہو جائے گا اور یہی نروان کا دروازہ ہے۔ بدہ نے کئی مرتبہ فرمایا ہے۔ ”راہ نجات طہارت سے شروع ہو کر عشق میں ختم ہوتی ہے“۔

بدہ نے طہارت پر حتی الوسع بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ طہارت کے بغیر انسان کو کل عالم کا عشق پیدا نہیں ہو سکتا۔ نا پاک آدمی کو عشق نہیں ہوتا اور بلا عشق کے نروان کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ انہوں نے کوئی قاعدہ کوئی قانون مقرر نہیں کیا۔ کوئی سخت اور دشوار قید نہیں لگائی۔ اُن کا صرف یہی حکم تھا کہ طاہر رہو۔ کل عالم کے عاشق بنو۔ اور بے غرضانہ نیکی کرو۔ اُن کے زاہد جس دھنگ کو پسند کرتے اُس دھنگ سے رہتے مگر ہر حالت میں طہارت۔ عشق عالم اور بے غرضانہ نیکی کرنے کی سب کوشش کرتے رہتے۔ بدہ کی نظروں میں ہر چیز خوش آئند تھی اُن کی جماعت کبھی میں مرد و عورت یکساں داخل ہو سکتے تھے برہمن اور چنداں دونوں کو اُن کے حلقہ مذہبی میں داخل ہونے کا برابر حق حاصل تھا۔ اُن کا ہر تر پیام سب کو یکساں پہنچتا تھا۔ اُن کی مذہبی دوکان سے بلا تفریق قوم، مذہب، ملت سب

کو جنس نجات ایک بہاؤ پر فروخت کی جاتی تھی —  
عوام الناس اور دنیا داروں کے لئے اُن کا مذہب  
بہت آسان ہے ۔ وہ جانتے تھے جو شخص دنیا داروں کے  
جگہزے بکھیڑوں میں پھنسنا ہے وہ زاہدوں کی طرف  
دیگر ضامنہ عمل نہیں کر سکتا۔ اہل دنیا کو اپنی خواہشیں  
فنا کر دینی قریب قریب ناممکن ہیں ۔ لہذا اُنہوں  
نے اُن کو صرف طاہر ہونے اور پاک و نیک زندگی بسر  
کرنے ہی کی ہدایت دی ۔ اور علم حاصل کرنے کو کہا ۔  
کیونکہ علم پاک زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ وہ  
یہ بھی جانتے تھے کہ پیشتر دنیا داروں کو تحصیل علم  
کے لئے کافی وقت نہیں مل سکتا ۔ اس لئے اُنہوں نے  
کہا کہ تم زاہدوں سے جب وہ تمہارے ہاں بھیک مانگنے  
آئیں صرف پاک زندگی کے اوصاف سنا کرو ۔ جب تم  
زاہدوں کی جھولیوں میں کھانا ڈالو گے وہ تمہیں بتائیں گے  
کہ پاک زندگی سے عشق عالم اور عشق عالم سے فروان  
حاصل ہوتا ہے ۔ تم پوچھو گے تو اُن کا فرض ہوگا کہ وہ  
تم کو پاک زندگی اور نیک اعمال کی تشریح کرے  
سہجہا دیں ۔ زاہدوں اور دنیا داروں دونوں کو فروان  
آسانی سے حاصل ہوسکتا ہے ۔ نجات ہر شخص کے دروازہ  
پر موجود ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے کسی مذہبی  
قربانی ، پرستش ، نفس کشی اور مجاہدہ کی ضرورت  
نہیں ۔ وہ اسیر ، غریب ، جاہل ، عالم ، مرد ، عورت  
سب کو مل سکتی ہے ۔ انسان کو اس کے سوچنے کی  
ضرورت نہیں کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے ۔ نجات انسان سے  
بہت ریاضت نہیں چاہتی نہ اس امر کے جاننے کی  
ضرورت ہے کہ کون سے قابل صحبت ہے اور کون سے قابل

نفرت - وہ پائی اور ہوا کی طرح بڑی آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہے - سب انسان برابر ہیں اور سب نجات حاصل کرنے کے مستحق ہیں - اگر سب کو ایک ساتھ طہارت اور عشق حاصل ہو جائے تو سب کے سب اُس عالم میں پہنچ سکتے ہیں - جہاں تخییر موت ، تکلیف ، مصیبت کچھ نہیں ہے - جہاں ہر شے نشاط افزا اور ابدی ہے - جہاں زمین و آسمان علیحدہ علیحدہ گُرمے نہیں ہیں - جہاں انسان بدہ ہے ، اور باپ ، بیٹے ، خدا ، آدسی سب ایک ہیں —

یہ بدہ کا مذہب ہے - یہی سری کرشن کا مذہب تھا اور یہی موجودہ اور آئندہ بدوں کا مذہب ہو گا - انسان کے لئے صرف یہی مذہب اور یہی راہ نجات ہے —  
بدہ کو درخت دانش کے نیچے کیا علم حاصل ہوا تھا؟ یہ وہی تین پرانے الفاظ تھے جو بار بار دریائے جہنا کے دل کش کناروں میں گونجتے پھرے - جنہوں نے کرک شیتر میں میدان کار زار کو حشر کا ٹھونہ بنا کر چھوڑا - یعنی فعل ، طہارت ، عشق —

اب ہم بدہ کی عام تعلیمات اور اشاعت دین کی کارروائی پر چند الفاظ لکھتے ہیں - جن سے ناظرین کو معلوم ہو گا کہ بودہ مذہب نے بنی نوع انسان پر عہوماً کیسا اثر ڈالا

بدہ نے اپنے گروہ کے زائدوں کے لئے بڑی عرق ریزی سے قواعد تیار کئے اور دنیا داروں کے لئے چند دلپزیر اخلاقی نصائح لکھے - مگر ہمارے مختصر رسالہ میں اس قدر وسعت نہیں کہ بدہ مذہب کے اعلیٰ قواعد اور مرتفع قوانین تمام و کمال درج کریں - لہذا ہم یہاں صرف چند اخلاقی

نصائح اور عام دیلی عقائد ہی پر اکتفا کرتے ہیں —  
 گوتم نے اپنی وفات سے پہلے جب باقاعدہ الوداع  
 کہنے کے لئے اپنے گروہ کو جمع کیا تو انہوں نے فرمایا۔  
 ” اے گدا گرو میں نے غور و خوض کے بعد جو قوانین  
 منضبط کر کے ظاہر کئے ہیں اُن کو اچھی طرح پڑھو۔  
 اُن کو عمل سے پورا کر کے اُن کی اشاعت کرو تاکہ میرا  
 مذہب عرصہ تک قائم رہے اور کل اہل دنیا کی خوشی  
 اور بہتری کے لئے لازوال ہو جائے اور افسان اور دیوتا  
 اُس سے متمتع اور بہرہ یاب ہوں۔۔۔ یہ قانون چھ  
 حصوں میں اس طرح منقسم ہے (۱) چار سرگرم مراقبے  
 (۲) چار بلیغ کوششیں (۳) چار دینداری کے رستے  
 (۴) پانچ اخلاقی طاقتیں (۵) سات دانشوں (۶) آٹھ  
 اعلیٰ طریقے (بودہ ستس ۶۱-۶۳) —

یہ بودہ کی تعلیمات کا اب اباب اور خلاصہ ہے۔  
 اب ہم ہر مذہبی اصول مذکور الصدر کی تشریح کرتے ہیں —  
 (۱) چار سرگرم مراقبے  
 (۲) پہلا مراقبہ جسمانی کسافت پر —  
 (ب) دوسرا مراقبہ پر جوش جس کی پیدا کی ہوئی  
 برائیوں پر —

(ج) تیسرا مراقبہ خیالات کے عدم استقلال پر —

(د) چوتھا مراقبہ ہستی کی حالتوں پر —

(۲) چار بلیغ کوششیں

(۱) پہلی کوشش برائیوں کی پیدائش روکنے کے لئے —

(ب) دوسری کوشش موجودہ برائیوں کو دور کرنے کے لئے —

(ج) تیسری کوشش غیر موجود نیکو پیدا کرنے کے لئے —

(د) چوتھی کوشش پیدا کی ہوئی نیکو کو ترقی دینے



کے لئے —

- (۳) چار دینداری کے رستے —  
 (۱) دیندار بننے کی خواہش —  
 (ب) دیندار بننے کے لئے ضروری جد و جہد —  
 (ج) دیندار بننے کے لئے دل کی ضروری تہاری —  
 (د) دیندار بننے کے لئے تحقیقات —  
 (۴) پانچ اخلاقی طاقتیں  
 (۱) ایمان  
 (ب) تہمت  
 (ج) یاد داشت (حافظہ)  
 (د) تصور (سماء ہی)  
 (۵) الہام (باطن دانش)  
 (۶) سات دانشیں  
 (۲) ہمت  
 (ب) حافظہ  
 (ج) تصور  
 (د) تحقیقات کتب مقدسہ —  
 (۵) نشاط  
 (و) استراحت  
 (ز) سلیم الطبعی  
 ۶ - آئید اعلیٰ ضریفے -  
 (۱) صدق عقیدت  
 (ب) صدق ارادت  
 (ج) راست گوئی  
 (د) راستبازی  
 (۵) حلال روزی

( و ) صادق العزمی

( ز ) صادق توجہ

( ح ) صادق تصور

یہ درمیانی طریقہ کہلاتا ہے۔ یعنی اول تو وہ حقیر۔ بھدے، شہوانی، بے پروا اور بے سود اشغال سے پاک ہے جن سے کہزور خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دوم وہ زاہدانہ نفس کشیوں پر اعتہاک کرنے سے مبرا ہے جو بے فائدہ اور درد ناک ہیں۔

نیک زندگی کا درمیانی طریقہ چار خاص اصولوں سے جو چار اعلیٰ اصول کہلاتے ہیں نکالا گیا ہے یعنی ( ۱ ) تکلیف ( ۲ ) اسباب تکلیف ( ۳ ) افساد تکلیف ( ۴ ) طریقہ افساد تکلیف۔

( ۱ ) تکلیف۔ انسانی کی پیدائش، بالیدگی، بوسیدگی، بیماری، موت، سب تکلیف سے مہلو ہیں۔ جن چیزوں سے بچنا ممکن نہ ہو ان سے پرہیز کرنے کی کوشش کرنی تکلیف ہے۔ جو چیزیں میسر نہ آسکیں ان کے ملنے کی خواہش کرنی ایذا رساں ہے الہ مختصر وہ اعلیٰ کیفیتیں جو وقوت، شخصیت اور اپنی ہستی کو ماحدہ سمجھنے میں پائی جاتی ہیں سب تکلیف اور اذیت کی حالتیں ہیں۔

( ۲ ) اسباب تکلیف۔ ظاہری دنیا کے افعال کا اثر حواس پر پڑنے سے نفس کا بھڑکنا۔ حواس کو تسکین دینے والی شے کی آرزو پیدا ہونا۔ اور خود ظاہر ہونے والی شہوت انگیز اشیا کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہونا، رنج و تکلیف کے اسباب ہیں۔

( ۳ ) افساد تکلیف مذکورہ بالا خواہشوں اور شہوتوں

پر پورے طور سے فتہیابی حاصل کرنا تکلیف کا انسداد ہے —  
(۴) طریقہ انسداد تکلیف - اوپر کے لکھے ہوئے آتھ

اعلیٰ طریقے تکلیف روکنے کے طریقے ہیں —

بدہ فرماتے ہیں - ” اس طریق میں قدم رکھنے سے  
جہلہ تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے میں نے یہ طریقہ اس  
بات کو دریافت کر کے تلقین کیا ہے کہ پیکان غم کی  
کھٹک دل سے کیونکر ہٹ سکتی ہے - تم کو خود اس  
معاملہ میں کوشش کرنی چاہئے - بدہ صرف تعلیم و  
تلقین کرتے ہیں - جو ہوشیہند اس طریق میں قدم  
رکھتے ہیں وہ فریب دینے والوں کے دام تزویر سے  
آزاد ہو جاتے ہیں —

وہ کون طریق ہے؟ ہم ابھی بیان کر چکے اس طریق کے  
ہیں کہ آتھ حصے ہیں یعنی صدق عقیدت ، صدق ارادت  
وغیرہ وغیرہ —

طریق مذکور میں ذیل کے چار مرحلے بھی ہیں —

پہلا مرحلہ جب انسان کو چار اعلیٰ اصول تکلیف  
اسباب تکلیف وغیرہ معلوم ہو جانے ہیں تو وہ مذہب  
کا معتقد ہو جاتا ہے - جن ذریعوں سے ان اصول کا علم  
ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) نیکوں کی صحبت (۲) قانون  
مذہبی کا سننا (۳) محققانہ غور و فکر (۴) نیکی  
کی مشق کرنا - اس سے پہلے مرحلے میں انسان (۱) مغالطہ  
خودی و خود بینی (۲) بدہ کے وجود اور بوجہ مذہب  
میں شک کرنے اور (۳) دینی رسوم مذہبی آئین کی  
قائمرات کے قائل ہونے سے مبرا ہو جاتا ہے —

دوسرا مرحلہ - شکوک - خودی اور دینی رسوم کے  
مغالطوں سے آزاد ہو کر اس مرحلہ میں انسان کی شہوانی

قوت - ثقت - اور مغالطہ بہت کچھ دور ہو جاتے ہیں -  
 تیسرا مرحلہ اس مرحلہ میں رہی سہی بداندیشی  
 اور شہوت پرستی بھی فنا ہو جاتی ہے اور پھر کوئی  
 کم درجہ کی خواہش ذاتی یا دوسروں کی بدخواہی  
 دل میں پیدا نہیں ہوتی -

چوتھا مرحلہ - یہ ارتہوں کا مرحلہ ہے - اس میں  
 انسان کو ژرف نگاہی حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مادی  
 یا غیر مادی ہستی، غرور، اتقا، بے علمی، سب  
 سے مستغنی ہو جاتا ہے -

بدھ مذہب کی طریقت کا یہ مختصر بیان ہے - حصول  
 نجات کے لئے بدھ نے یہی طریقہ ایجاد کیا ہے - راحت  
 ابدی کے مندر کی یہی پیڑھیاں ہیں -

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بدھ نے اپنے پیرووں کے گروہ  
 کو دو جداگانہ حصوں میں تقسیم کیا تھا یعنی بدھ  
 دیندار اور بدھ دنیا دار - بدھ دینداروں کے لئے جفا  
 کشی کے قواعد وضع کئے تھے اور بدھ دنیا داروں کے  
 واسطے دل پذیر اخلاقی نصاب - اب ہم چند دنیا داروں  
 کے اخلاقی نصاب درج کرتے ہیں - مفصلہ ذیل دنیا داروں  
 کے خاص فرائض ہیں -

اب میں وہ طرز معاشرت جو دنیا داروں کو اختیار کرنی  
 چاہئے لکھتا ہوں اور وہ طریقے جن کو دنیا دار سرید  
 اچھی طرح پرہیز کر سکتے ہیں بیان کرتا ہوں - جو  
 فرائض راہدوں کے لئے مخصوص ہیں انہیں عیاں دار  
 ادا نہیں کر سکتے -

دنیا دار کو چاہئے نہ کسی جاندار کو قتل نہ کرے  
 بلکہ کسی قسم کو اذیت نہ پہنچائے عام اس سے کہ وہ

جانور قوی ہو یا ضعیف ، اور قاتلوں اور سوتلیوں کا  
ایسا فعل روا نہ رکھے ” ۔

میازار مورے کہ داد کش است

کہ جاندار دو جان شیریں فروش است

” دنیا دار مرید کو چاہئے کہ وہ کسی جگہ کوئی

چیز نہ خود چوائے نہ کسی دوسرے کو چرائے نہ

اور چوروں کا یہ فعل پسند نہ کرے ۔ غرض کہ ہر قسم  
کی چوری سے احتراز کرے ” ۔

غناء طبع بود کھپیاے رہ حانی

چو نیست سال میسر بدل تو فکر دانش

” عقلمند کو چاہئے کہ شہرت پرستی کو چلتے ہوئے

انگاروں کی بہتی سمجھ کر اس سے گریز کرے

اگر کوئی شخص عائم تاجرید میں زندگی بسر نہیں کر سکتا  
تو اُسے زنا کاری بھی نہ کرنی چاہئے ” ۔

نشايد هوس باخان با گلے نہ ہر داد آتش بود بلبلے

اگر کوئی شخص شاہی مجالس میں جائے یا کسی

سرکاری تحقیقات کے لئے طلب کیا جائے تو یہ خود بھی

دروغ و نا راستی سے بچے اور دوسروں کو ہوس و شہوت

نہ بوائے نہ ۔ غرض ہر قسم کی دروغ گوئی سے

پرهیز کرے ۔

راستی موجب رضائے خداست کس نہ یدم کہ ہم شہا زہد راست

” دنیا دار کو واجب ہے کہ مسکرات اور اسی

کے استعمال سے خود بھی پرهیز کرے اور دوسروں کو

بھی پرکھیف شرابیں نہ پلائے ۔ بے خواروں اور ستکاروں

کے افعال کو پسند نہ کرے ایسے شخصوں کو جو بادہ

کساری کو دین و ایمان سمجھتے نہیں جانتا چاہئے کہ

تہام نشہ آور چیزیں افسافی حواس کو معطل کر دیتی ہیں۔ —

ہو بادۂ کشی پر نہ جواقوں مفتحوں

گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون

دنیا داروں کے فرائض پر ذیل کے قواعد بہت پسندیدہ ہیں۔ —

عام فرائض

۱۔ والدین اور اولاد کے فرائض

والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو

(۱) برے کاموں سے بچائیں۔ —

(۲) نیکی کرنا سکھائیں

(۳) علوم فنون کی تعلیم دلائیں۔ —

(۴) لڑکوں کے لئے لایق بیویاں اور لڑکیوں کے لئے

قابل شوہر تلاش کریں

(۵) ورثہ اور ترکہ لیں۔ —

لڑکے کو کہنا چاہئے کہ

(۱) میں اُن کی مدد کروں گا جنہوں نے میری

پرورش کی ہے۔ —

(۲) میں اُن کے لازمی فرائض خانہ داری ادا کروں گا۔ —

(۳) میں اُن کے مال و اسباب کی حفاظت کروں گا۔ —

(۴) میں اپنے آپ کو اُن کے وارث ہونے کے قابل

بناؤں گا۔ —

(۵) میں اُن کی وفات کے بعد اُن کی یاد تعظیم و تکریم

سے کروں گا۔ —

۲۔ شاگرد اور استاد کے فرائض

شاگرد اپنے استادوں کی تعظیم و تکریم اس طرح کریں

(۱) اُن کے روبرو سوجانہ کھڑے ہوں۔ —

(۲) اُن کے خلیفہ کی طرح کام کریں۔ —



- (۳) اُن کے حکم کو مانیں -
- (۴) اُن کی ضروریات رفع کریں -
- (۵) اُن کی تعلیم و تلقین پر توجہ کریں -
- استاد اپنے شاگردوں پر شفقت و الفت یوں ظاہر کریں کہ
- (۱) اُنہیں ایسی تعلیم دیں جس سے اُن کا علم دیر پا ہو -
- (۲) اُنہیں اچھی باتیں سکھائیں -
- (۳) اُنہیں علوم و فنون اور عقل و شعور کی تعلیم دیں -
- (۴) اُن کے ساتھ اور اُن کے اعزہ اور احباب کے ساتھ لطف آمیز گفتگو کریں -
- (۵) اُنہیں خطرہ سے محفوظ رکھیں -
- ۳- شوہر اور زن کے فرائض
- شوہر کو اپنی بیوی سے یوں پیار کرنا چاہئے -
- (۱) اُس کے ساتھ عزت سے پیش آئے -
- (۲) اُس پر مہربانی رکھے -
- (۳) اُس کے ساتھ ثابت قدم رہے -
- (۴) اُس کی دوسروں سے عزت کرائے -
- (۵) اُسے مناسب زیور اور موزوں پوشاک پہنائے -
- بیوی کو اپنے شوہر سے یوں محبت کرنی چاہئے -
- (۱) امور خانہ داری کو درستگی کے ساتھ انجام دے -
- (۲) اہل خاندان اور دیگر اعزہ کی مہمانداری کرے -
- (۳) عفت و عصمت کے ساتھ اپنے شوہر کی محبت میں ثابت قدم رہے -
- (۴) اصراف خانہ داری میں کفایت شعاری کرے -
- (۵) جو کام اُسے کرنے ہوں اُن میں عقل و ہوشیاری دکھائے -
- ۴- دوست اور ہمدسوں کے فرائض

انسان کو اپنے دوستوں کے ساتھ یوں برتاؤ کرنا لازم ہے ۔

- (۱) اُن کو تعائف اور ہدیہ دے ۔
  - (۲) اُن کے ساتھ تہذیب سے بات چیت کرے ۔
  - (۳) اُن کی اغراض اور دلچسپی کو بڑھاتا رہے ۔
  - (۴) اُن کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے ۔
  - (۵) اپنی خیریں قسمتی میں اُن کو شریک کرے ۔
- دوستوں کو اُس کے ساتھ یوں اتحاد ظاہر کرنا چاہئے ۔
- (۱) تنہائی میں اُس کی حفاظت کریں ۔
  - (۲) بیخبری میں اُس کے مال و اسباب کی نگرانی کریں ۔
  - (۳) خطرہ کی حالت میں اُس کو پناہ دیں ۔
  - (۴) مفلسی اور بدقسمتی میں اُس کا ساتھ دیں ۔
  - (۵) اُس کے اہل و عیال کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں ۔

۵۔ آقا اور ملازمین کے فرائض

آقا اپنے متعلقین کی خوشحالی کے لئے حسب ذیل انتظام کرے ۔

- (۱) اُن کی طاقت کے موافق کام کی مقدار معین کرے ۔
  - (۲) اُن کو مناسب کھانا اور حق الخدمت دے ۔
  - (۳) اُن سے لطف و عنایت کے ساتھ پیش آئے ۔
  - (۴) غیر معمولی دقیق امور میں اُن کا ہات بٹائے ۔
  - (۵) کبھی کبھی اُنہیں تعطیل دیا کرے ۔
- ملازمین کو اپنے آقا کی خدمت اس طرح کرنی چاہئے ۔

- (۱) آقا کے روبرو تعظیم کے لئے اُٹھیں
- (۲) اُس کے استراحت فرمانے کے بعد سونے کو جائیں ۔
- (۳) جو کچھ وہ دے اُس پر قانع رہیں ۔
- (۴) خندہ پیشانی سے تھپک تھپک کام کریں ۔

- (۵) اپنے آقا کی نسبت اچھے کلمے منہ سے نکالیں۔  
 (۶) دنیا داروں اور دینداروں کے فرائض۔  
 دنیا دار گداکروں اور برہمنوں کی اطاعت و عزت کریں۔  
 (۱) محبت آمیز افعال سے۔  
 (۲) محبت آمیز اقوال سے۔  
 (۳) محبت آمیز خیالات سے۔  
 (۴) اچھی آؤ بھگت سے۔

(۵) اُن کی دنیوی ضرورتیں رفع کرنے سے۔

وَ اَمَّا دُنْيَا دَارُوْنَ مِنْ يٰوَسَّعَتْ لَكُمْ فِيهَا حَيٰتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُوْنَ

(۱) اُنہیں برے کاموں سے باز رکھیں۔

(۲) نیک کاموں کی ہدایت کریں۔

(۳) اُن پر مہربانی کی نظر رکھیں۔

(۴) اُنہیں مذہب کی تعلیم دیں۔

(۵) اُن کے شکوک رفع کریں۔

(۶) اُنہیں بہشت کا رستہ بتائیں۔

اس قسم کی دلپذیر اخلاقی پند و نصائح ہم اور بھی بہت سے درج کر سکتے تھے مگر وہ طوالت کتاب کے خیال سے قلم انداز کئے گئے۔ صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ قریب قریب کل اخلاقی نصائح جن کی دنیا میں یا بلدی کی جاتی ہے بدہ ہی کے وضع کئے ہوئے ہیں۔

یہاں سے بدہ مذہب کی جماعت کھری کے حالات مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں۔

داخلہ۔ اس بڑے گروہ میں داخل ہونے کے لئے سائل کو خواہش کے سوا اور کسی سند یا وثیقہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اُسے ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ وہ امراض متعدی اور عوارض ذی نوائب میں مبتلا نہیں ہے۔ اُسے تپ دق

نہیں ہے —

وہ کسی کا غلام یا مقروض نہیں ہے۔ اور اُس نے گروہ میں داخلہ کے واسطے اپنے والدین کی رضامندی اور اجازت حاصل کر لی ہے۔ داخلہ کے وقت ساڈل کو پہلے سر منڈوانا پڑتا تھا اور نارنجی رنگ کے کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنی ہوتی تھی —

خوراک - کوئی زاہد علاوہ طلوع خورشید و ماہ کے درمیانی وقت کے جسمانی طاقت برقرار رکھنے کے لئے کسی اور وقت کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ میخواری سے پرہیز کرنا اُس کا فرض لازمی تھا۔ عموماً زاہدوں کو اپنا رزق بہم پہنچانے کے لئے جھولی لے کر بھیک مانگنی پڑتی تھی۔ بھیک مانگنے کا یہ طریقہ تھا کہ زاہد دروازوں پر جا کر کھڑے رہتے مگر سوال نہ کرتے اگر کوئی شخص جھولی میں کچھ ڈال دیتا تو وہ دعائیں دیتے ہوئے آگے کو بڑھ جاتے جس وقت کافی کھانا ہو جاتا وہ اپنے قیام گاہ کو چلے جاتے اور جو کچھ ملتا اُسے کھا لیتے —

پوشش مکان اور پیشہ کی بابت بدھ نے کوئی سخت قید نہیں لگائی۔ اُن کے زاہد تین تکرے نارنجی رنگے ہوئے کپڑے کے پہنتے اور جہاں چاہتے وہاں رہتے مگر عموماً وہ بڑی بڑی خانقاہوں میں جو دنیا دار پیروروں نے تعمیر کرائی تھیں رہتے تھے —

بودھ مذہب کے رہنے سہنے کا طریقہ حسب ذیل تھا — وہ سپید و صبغ کے نمودار ہونے سے پہلے اُٹھ کر بہار (خانقاہ) میں جہازرو دیتے کورتا کرکت صاف کرتے۔ دن کے پینے کا پانی بہر لاتے اور صافی سے چھان کر رکھ دیتے پھر گوشہ میں جا کر اپنے دستور العمل پر غور

کرتے۔ تھوڑی دیر بعد جھولی اُٹھا کر اپنے سرگروہ کے  
 ہمراہ روزانہ پھیری کے واسطے جاتے۔ واپس آ کر اُس کے  
 پاؤں دھونے کے لئے پانی لاتے اور جھولی اس کے سامنے  
 رکھ دیتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اپنی جھولیاں پانی سے  
 دھو کر صاف کرتے۔ جب تقریباً ایک گھنٹہ گزر جاتا  
 نوشت و خواند شروع کرتے۔ کوئی مذہبی کتاب پڑھتے  
 یا کسی دینی رسالہ کی نقل کرتے اور جو مضامین  
 سمجھ میں نہ آتے انہیں اپنے سرگروہ سے دریافت  
 کر لیتے غروب آفتاب سے قبل وہ پھر خانقاہ کو جھارتے  
 اور چراغ روشن کر کے اپنے سرگروہ کی تعلیمات رجوع  
 قلب سے سنتے یا آئین دین کے مضامین کا آموختہ  
 پڑھتے۔ جو چیزیں میسر ہوتیں انہیں پُر قانع رکھتے۔  
 غرور و تکبر دور کرتے۔ جسمانی حسن۔ زبانی حلاوت  
 اور دلی نیکی پیدا کرنے کو ہمیشہ مد نظر رکھتے۔—  
 یہ بد مذہب کے حالات تھے۔ اب ہم دکھائیں گے  
 کہ مذہب مذکور نے بنی نوع انسان پر عموماً کیسا  
 اثر ڈالا۔

پینتالیس برس تک گوتم کا سارا اذہماک رسالت کے  
 کاموں میں رہا۔ انہوں نے ہر فرد بشر کو دینیات کی  
 یکساں تعلیم کی۔ مذہب کی اشاعت کے لئے ہر سہت  
 میں آدمی بھیجے۔ مدرسہالعام اور خانقاہوں کا انتظام  
 کیا۔ اور کل رے زمین پر اپنا مذہب پھیلایا۔ ترویج  
 دین کے لئے ان کے زاہد مشرق میں چین۔ مغرب میں یورپ  
 شہاں میں تاتار اور جنوب میں جزیرہ سرانڈیپ تک پہنچے۔  
 بودہ مذہب کو ہر جگہ لوگوں نے ہاتوں ہاتھ لیا اور  
 سیکڑوں ہزاروں آدمی مذہبی جہانتے کے تلیے آ کر جمع

ہو گئے۔ اس قبولیت عام کا یہ سبب تھا کہ یہ مذہب نہایت سادہ اور خالص تھا اس میں چھوٹے بڑے سب برابر تھے۔ ذات، فرقہ، رتبہ، درجہ، عام، خاص، برہمن، چندال کی کوئی تہیز و تفریق نہ تھی۔ اس میں بھاری قربانیاں، سخت نفس کشیاں، پجاریوں کی ایذا رسائیاں بالکل نہ تھیں۔ اس میں طہارت و اخلاق کی قدر و منزلت اور عشق عالم کی ہدایت کی جاتی اور ہر شخص کو نجات حاصل ہونے کی امید دلائی جاتی تھی۔ جس مکان میں اس مذہب کا زاہد ایک دفعہ بھی بھیک مانگنے گیا اُس کے مکینوں نے مذہب مذکور فوراً بکشاہ پیمشانی قبول کر لیا۔

بدھ نے اپنے گروہ کا انتظام ایسا اچھا کیا تھا کہ اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کے مقلدین نے اُن کے اعلیٰ کاموں کو جاری رکھ کر اُن کا مذہب دور دور تک پھیلا یا کوہ ہمالیہ کے برفشانی سلسلہ سے لے کر جزیرہ نما کے جنوبی ساحل تک اور دریائے سندھ سے دریائے برہمپتر تک اہل ہند نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔ ہند کے باہر بھی مشرق میں بحر الکاہل اور مغرب میں بحر ظاہات تک اس مذہب نے تمام ملکوں میں رواج پایا تبت اور قاتار کے باشندے اور شمال بحر منجھو کی آبادیاں سب اس مذہب کی پیرو ہو گئیں۔ الہختصر ایشیا کے رہنے والے اس سہندر سے اُس سہندر تک بودھ مذہب کے معتقد ہو گئے۔

یہ سب بدھ کی ذاتی تعلیمات و تلقیذات اور اُن کے بے ہمتا مذہب پھیلا نے والوں کی بے تکان کوشش کے نتائج تھے۔ مگر اُنہیں پر بس نہیں ہوئی۔ اُن کے مذہب نے یورپ بلکہ تمام دنیا کی عام و تہذیب پر ضہناً اثر ڈالا۔ مذہب مسیحی بودھ مذہب سے نکلا۔ یسوع مسیح نے بدھ مذہب کی

تعلیم \* پاکر اُس کے اخلاقی اصول کے وعظ دیتے اور اُن کے کل سریدوں نے بدہ گروہ کے زاہدوں کے قواعد کی پیروی کی - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے سارے سات سو برس بعد ایک سر بر آوردہ شخص نے جو مسیح دنیا میں سینت جان د مشقی کے نام سے مشہور و معروف تھا ایک کتاب "برلعمام جوزفات" لکھ کر شائع کی - مشہور ہے کہ برلعمام جوزفات کے رسالہ نے درمیانی صدیوں میں بے حد قبولیت عام حاصل کی - لوگوں نے اُس کی یہاں تک قدر کی کہ سریانی، عبرانی، عربی، حبشی، ارمنی، السنہ مشرقیہ اور لاطینی، فرانسیسی، اطالیہ، جرمنی، انگریزی، ہسپانیہ، بوہیمیہ، مابیش وغیرہ السنہ مغربیہ میں اُس کا ترجمہ ہوا شروع سنہ ۱۲۰۴ ع میں وہ آٹسلینڈ کی بولی میں اور کچھ دنوں بعد جزائر فلپائن کی زبان میں لکھی گئی - یہ امر مسلم ہے کہ اس مشہور کتاب نے توہام یورپ پر نیکی اور پاکدامنی کے سکے بٹھانے میں بڑی مدد دی - اگر جوزفات کا مشہور و معروف قصہ جو یورپ کے ہر خاندان میں پڑھا جاتا ہے نہ لکھا جاتا تو شاید دین مسیح مغرب کے سرد ملکوں میں اس قدر جلد نہ پھیلتا - اہل یورپ اور عیسائی مذہب نے جوزفات کی اس قدر تقدیس و عظمت کی کہ اُس کو سینت کا رتبہ دیا مشرقی کلیسا میں ۲۶ - اگست سینت جوزفات کے تیوہار کا دن ہے اور روم کی سیرالشہدا میں اس تقریب کے لئے ستائیسویں نومبر مقرر ہے -

• یہ محض مصنف کا حسن ظن ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں مل سکتا - (شہلی نعمانی)



جان لاشقی مصنف قصہ بر لہام جو زفات لکھتا ہے ۔  
 کہ سینت جوزفات ایک ہندی بادشاہ کا بیٹا تھا مگر وہ  
 بعد کو گوشہ نشین ہو کر زاہد مرقاص ہو گیا ۔ اس کے  
 ساتھ ہی اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس قصہ  
 کو ان لوگوں کی زبانی سنا تھا جو ہند سے آئے تھے ۔  
 اب بلا شک و شبہہ یہ ثابت ہو گیا کہ جو زفات جس کے  
 معنی ” بدھی سنتو “ کے ہیں گو تم بدہ کپل وستو کے  
 سوا اور کوئی شخص نہ تھا ( دیکھو موکس مولر کی  
 کتاب ” ٹائیگریشن آف کلیپس “ ) جوزفات کا قصہ تمام  
 و کہاں بدہ کی سوانح عہری سے جو لت بستار میں درج ہے  
 ایسا مشابہ ہے کہ یا تو مصنف نے کتاب لت بستار خود  
 مطالعہ کی ہو گی یا کسی ایسے شخص سے سنی ہو گی جس  
 نے اُسے پڑہ کر اس کے مضمین پورے طور پر تفصیل وار  
 حفظ کرائے ہوں گے ۔

بدہ کی وفات کو غالباً ایک ہزار تین سو برس کا  
 عرصہ گزر چکا ہے ان کے مذہب میں اس قدر تبدل ہو گیا  
 ہے کہ پہچانا نہیں جا تا ۔ ان کے سیدھے سادے پاک  
 عقائد دینی بدل کر بعید الفہم مذہبی قواعد ہو گئے ہیں ۔  
 مگر اب بھی انسانی خلقت کا ایک ٹلٹ حصہ انہیں اپنا  
 خدا مان کر ان کی عبادت و پرستش کرتا ہے ۔ کو ان  
 کا مذہب ہندوستان سے مفقود ہو گیا تاہم لوگ انہیں  
 نہیں بھولے ہیں اور ان کی ویسی ہی قدر و عظمت  
 کرتے ہیں ۔ ان کو خدا کا ایک اوتار تسلیم کیا گیا ہے

اور جمیع مذہب موجودہ میں اُن کے مذہب کی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں بھی وہ زمانہ آئے گا جب مذہب مسیحی بودہ مذہب کی احسان مندی اور شکر گزاری کا دین ادا کریگا اور اُس وقت بھی بدہ مہاراج معزز سینٹ جوزفات ہندی کے قالب میں وہاں موجود ہیں۔



## تہذیب

### دیگر رہنما

ہم بیان کر چکے ہیں کہ چار بڑے رہنماؤں کے علاوہ  
جلہوں نے ہمیں راہ بہشت دکھائی چند اور رہنما بھی  
گزرے ہیں۔ ان رہنماؤں نے اپنے ظہور سے سر زمین ہند  
کو متبرک مقام بنا کر دینی اصول اعظم کو جزاً یا کلاً  
سہجھا نے کے لئے وعظ کہے۔ مگر اس سے ہمارا یہ مطلب  
نہیں ہے کہ وہ کم درجہ کے رہنما تھے۔ جن پاک قابلوں  
میں نور الہی خاص کاموں کے لئے جلوہ گر ہوا۔ ان میں  
فرق بتانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ ہاں ان بزرگوار  
انسانوں کی سوانح غمیریوں اور تعلیمات کے مطالعہ سے ہم  
کو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن اور بدھ کے اصول دینی  
کی مراحت کرنے کے لئے ان کا ظہور ہوا تھا رہنما یان  
موصوف کی تعلیمات میں جو اختلاف پڑ گئے تھے انہیں  
دور کرنے کے لئے وہ آئے تھے اور مختلف مذاہب کے  
پیروؤں کے جھگڑے رفع کرنے کے لئے وہ پیدا  
ہوئے تھے۔

اشاعت دین کی دراز زندگی کے بعد بدھ نے دنیا سے رحلت کی مگر ان کے ساتھ ان کا مذہب منفقوں نہیں ہوا۔ ان کے عزیز مریدوں نے ان کے اعموں قائم رکھ کر دور دور تک مذہب پھیلایا تقریباً بدھ کی وفات کے تین سو برس بعد سلطنت مگدھ کا بادشاہ اشوک بدھ کا بڑا مجتہد پیرو ہوا۔ اس نے بدھ مذہب کی اشاعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور زر خطیر صرف کر کے بڑی سر گرمیاں دکھائیں۔ کواہ ہمالیہ سے بحر ہند تک کل ملک کو بدھ مذہب نے تھانک لیا اور ممالک اجنبیہ میں بحر الکاہل تک پھیل گیا۔ مگر یہ وسعت اور اشاعت اس کے روحانی اصول کی بربادی اور خرابی کا باعث ہوئی۔ اس درخت کی جڑ کو دوران زمانہ کی دیہک لگ گئی یعنی مدت مدید میں جب یہ مذہب قریب قریب نصف دنیا میں پھیل گیا تو اس کی حالت حد اعتدال سے بڑھ گئی اور سادگی اور پاکیزگی جو اس کے اعلیٰ اصول تھے معور و فراموش ہو گئے حتیٰ کہ وہ پیچیدہ شرک، بعید الفہم اقوال اور باطل بت پرستی کا ذخیرہ بن کر کچھ سے کچھ ہو گیا۔ بدھ مذہب نے آریہ مذہب کی صہارت کو تھما دیا۔ بدھ کی پیدائش سے بہت پہلے سری کرشن کے تعلیمات فراموش ہو چکی تھیں اور سیدھے سادے مذہب کی جگہ دنیا میں پیچیدار فلسفے اور ادق آلہیات رائج ہو چکے تھے۔ پس مذہب کی گئی ہوئی سادگی کو از سر نو پیدا کرنے اور مذہبی شمع کی مدہم روشنی تیز کر کے اصول ہیلتی کی تشریح کرنے کے لئے بدھ کا اوتار ہوا

مگر افسوس ان کے مذہب کا بھی وہی حشر ہوا زمانہ کی رفتار نے اسے بھی گرداب انحطاط میں ڈال دیا اور مرشدانہ تعصب ، جاہلانہ بدعت کا طوفان اسے بہا لے گیا —

بدعہ کی وفات کے بعد ایک ہزار برس کے اندر اندر ہند کی یہ حالت ہوگئی کہ نہ سری کرشن کا مذہب باقی رہا نہ بدعہ کا ۔ ہندوؤں کے مذہبی تعصبوں اور بدعتوں نے سر اٹھایا ۔ بودہ مذہب کی عظمت و شان نے ان کو نیچا دکھایا ۔ اودھر ہزاروں صورتوں میں خدا کا ظہور دکھایا گیا ۔ ادھر مطلق اس کا خیال بھلایا گیا ۔ اُدھر ہبہ اوست کا مسدہ ذہن میں آیا ۔ ادھر دھرم پن داؤں میں سمایا ۔ غرض اس حیم بیص میں مذہب کی سادگی ہاتھ سے جاتی رہی —

رحیم مطلق اور عالم ایجاد کا مالک بدی نوع انسان کو اس مصیبت و بیکسی کی حالت میں ذلیل و خوار نہ دیکھ سکا اور اس نے ایک انسانی قالب میں جلوہ فرما کر ہنود اور بدعہ کے مذاہب کو موت کے منہ سے نکال لیا ۔ یہ قدسی صفات بزرگ ” شنکر اچارج ” تھے ۔ انہوں نے قدیم آریہ مذہب اور جاں بلب بودہ مذہب کی تمام خوبیاں اور عہدہ اصول ایک جگہ مجتمع کر کے انہیں ایک فلسفہ ایک علم الہی اور ایک مذہب میں ترتیب دیا المختصر شنکر اچارج کے ظہور سے بدعہ مذہب کے بعیدانہم دینی قواعد اور ہندو مذہب کے فلسفیانہ اقوال مستند ایک ساتھ غائب ہوگئے —

مگر انہوں نے بدعہ کی تعلیمات کا اصل اصول ” انسان

ذاتی تربیت سے فنا فی اللہ کا درجہ پا سکتا ہے۔ " قائم رکھا اور اسی بنیاد پر اپنے فلسفے کی عمارت اٹھائی انہوں نے ہر مذہبی کتاب سے یہ اصل اصول تھوندہ تھوندہ کر نکالا اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں پر بیشمار تفسیریں لکھ کر دکھایا کہ اس دعوے کو ہر شاستر میں ثابت کیا ہے۔ مگر آخر کار جو سبب بودہ مذہب کو شرک سمجھنے کا ہوا تھا وہی شکر کے مذہب پر صادق آیا۔ اُن کا مذہب یا کم از کم اُن کا اصل اصول مذہبی بھی بعید الفہم ثابت ہوا اور بدستور سابق انسان دینی بدعتوں کی تاریکی میں ٹاپک توے مارنے لگے۔

رحیم مطلق کو پھر شکل انسان اختیار کرنی لازم آئی۔ اس مرتبہ وہ بزرگ جن کے قالب کو نور خدا نے پاک کیا۔ رامانج تھے۔ جو باتیں شکر چارج سے رہ گئی تھیں انہیں پورا کرنے کے لئے اُن کا ظہور ہوا۔ انہوں نے قریب القیاس اور قابل الادراک خدا کا مرقع کھینچ کر انسان کے سامنے رکھ دیا۔ مگر انسان کے لئے خدا شناسی ناممکن امر ہے یعنی جب تک عشق و محبت پرستش والتجا۔ شکر و ثنا کے لئے خدا کی کوئی حسی شکل نہ ہو۔ انسان خوشحال نہیں ہوتا اور چہل و تعصب اُس کا دامن نہیں چھوڑتے اس لئے رامانج نے زمانہ کے مقبول اور اعلیٰ ہیرو رام کے سر پر الوہیت کا تاج رکھ کر شکر کی تقدیر کلام کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

مگر افسوس انسان جہالت اور باطل عقائد ہی کو پسند کرتا ہے۔ لہذا اُسے اُس کی پست ہمتی سے شکر اور رامانج امان نہ دے سکے۔

مذہب جو ہندوستان کا ذریعہ عز و افتخار تھا مفقود ہو گیا اور یوں ہند میں عرصہ تک لا مذہبی کا زمانہ رہا۔ اسی زمانہ میں مذہب اسلام مغرب کی جانب سے ہند میں داخل ہوا۔ اس مذہب نے بت پرستی مٹا کر خدا کی وحدانیت ظاہر کی۔ ہند میں ایسی ابتری ہو گئی تھی کہ اہل ہند اپنے رہنماؤں کے اقوال کو بھول کر تینتیس کروڑ دیوتا اور دیوں کو ماننے لگے تھے اپنی ناواقفیت کے سبب سے انہوں نے وحدانیت کے اصول اعظم کو مسلمانوں کی ایجاد سمجھا جو مغربی بیابانوں سے خاک اُراتے ہوئے ہند میں وارد ہوئے تھے۔ مگر اسلام کو بھی ہند میں آکر ہندو مذہب کی طرح اسی خرابی کا سامنا ہوا۔ یہ انسانوں کی نہایت وحشی اور متعصب فرقہ کا مذہب ہو گیا جس کے حملوں اور فرمائروائی سے ہندوستان بہت برسوں تک تباہ و برباد رہا۔ ایک مرتبہ پھر سچے مذہب نے عود کرنے کی کوشش کی اور قریب قریب ایک ہی زمانہ میں تین متبرک قالبوں میں خدا تعالیٰ کا نور جلوہ نما ہوا۔ اور راماند نے بنارس کی خاک سے اُٹھ کر ہندو مذہب کے تین برے عقیدوں پرستش۔ قومیت اور بت پرستی کے خلاف وعظ دیئے۔ وہ توہم قسم کی پوجا اور قربانیوں کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ مسئلہ صلح کل اور عشق الہی ہی صورت ذریعہ نجات ہیں۔

دوسرے مقدس بزرگ گورکھ ناتھ پنجاب میں ہوئے انہوں نے راماند کی تعلیمات کو دہرایا اور پجاریوں، قومیت اور دیوتاؤں کی کثرت کے خلاف وعظ کیا انہوں نے بھی دنیا میں مسئلہ صلح کل اور آسمان



پر ایک خدا کا ہونا بیان کیا - مگر چونکہ انسان کے لئے خدا کا پہچاننا دشوار تھا اس لئے شیو کو قابل پرستش قرار دیا -

اب بھی ہندوستان میں بت پرستی ، دیوتاؤں کی کثرت ، مذہبی پیچیدگیاں ، دینی بدعتیں - پجاریوں کا تعصب ، قومیت کے جھگڑے اور اسی قسم کے مرشدانہ جبر و تعدیاں ویسی ہی تھیں - لہذا تیسرے بزرگ کبیر نے انسانی خلعت کے نہایت ادنیٰ طبقہ سے پیدا ہو کر ظاہر کیا کہ صرف عشق عالم حصول نجات کا ذریعہ ہے - یوں یکے بعد دیگرے پانچ مقدس بزرگ شنکر اچارج ، رامانجم ، رامانند ، گورکھ ناتھ ، اور کبیر نے مذہب کی جہلملاتی ہوئی شمع کی روشنی تیز کر کے سری کرشن اور بدھ کے اعلیٰ اصول دینی کی صراحت کی مگر ان کی مجتہدانہ کوششیں جزوی طور پر مشکور ہوئیں - کیونکہ ان کی رسالت کا منشاء اعلیٰ اصول کی جزا تشریح کرنے کا تھا - لہذا انہوں نے وہی کیا جس کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے -

گو بہت سے سنت اور رشی پیدا ہوئے اور بہت سے رہنماؤں نے اعلیٰ اصول مذہبی کے وعظ کہے تا ہم دنیا میں جرم و گناہ کے رستے بند نہ ہوئے - لوگوں نے نیک کام کو چھوڑ کر بد کرداری اپنا شعار کر لیا - تو خدا نے غفور الرحیم نے نیکوں کی حمایت اور بد کرداروں کی بربادی کے لئے پھر ایک اعلیٰ رہنما کی شکل میں ظہور فرمایا -

یہ اعلیٰ رہنما نودیپ کے تھے چتین تھے - اصل میں وہ دوسرے بدھ تھے - چتین کے معنی ہیں

روشن ضمیر کے ہیں اس لئے چتین اور بدہ مراات  
 اور ہم معنی الفاظ ہیں - مگر حیات چتین کے لکھنے  
 سے پہلے ہم مذکورہ بالا پانچ مقدس رہنماؤں کے حالات  
 اور تعلیمات مختصراً درج کرتے ہیں —

## شنکر اچارج

نویں صدی کے شروع میں شنکر اچارج ملک دکن کے قصبہ چیتا مبر میں پیدا ہوئے مگر اُن کے لڑکپن کا زمانہ مواد میں نہیں گذرا کیونکہ وہ بارہ برس کی عمر میں مع اپنی والدہ کے مالا بار میں رہتے تھے۔ اُن کے والد اُن کی صغر سنی ہی میں راہی ملک عدم ہو گئے اور جب انہوں نے ہوش سنبھالا دنیا میں بیخبر اپنی ذات خاص کے کوئی مربی و سرپرست اتنا بھی نہ پایا کہ اُن کی تعلیم کا بندوبست کرتا۔ ماں کے پاس اس قدر بضاعت بھی نہ تھی کہ حوائج ضروری کو کافی ہوتی مگر اس نیک بی بی کی طبیعت ایک خاص قسم کی واقع ہوئی تھی۔ اُس نے شنکر کی تعلیم میں بڑی توجہ کی اور کل شاستر پڑھائے۔ ادھر شنکر نے بھی پڑھنے لکھنے میں بہت عجلت کی حتیٰ کہ سواہ برس کی عمر میں وہ تمام فلسفیوں اور الہیات پر حاوی ہو گئے۔ مالا بار بلکہ سارے دکن میں علم و فضل میں کوئی اُن کا ثانی نہ تھا۔

اس فوجوان فاضل میں عالی دماغی اور بلند خیالی کا مادہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ ہند کے فلسفہ اور مذاہب کی ابتوں پہلے ہی ملاحظہ کر چکے تھے۔ بدہ اعظم

## وہنہا یان ہند

کی وفات کو تقریباً پندرہ سو برس گزر چکے تھے۔ اُن کا سادہ اور مرتفع مذہب بدعت و تعصب کے ہاتھوں تباہ ہو کر آریہ مذہب اور اُس فلسفہ کو عود کرنے کا موقع دے چکا تھا۔ دانش و نادانی، مذہب و تعصب، علم و جہل ایک دوسرے پر فوقیت دھونڈ رہے تھے ہند کی اس مصیبت اور تاریکی نے شنکر کے دل پر بڑا اثر کیا اور انہیں معلوم ہوا کہ یہ وہی سر زمین ہے جس پر رشی اور آریہ لوگ کسی زمانہ میں خوش گزران زندگی کے لطف اُتھا چکے ہیں اس لئے انہوں نے علم کی روشنی سے ہند کی تاریکی دور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور خیال کیا کہ علم ہی ایسا آلہ ہے جس سے جہل کی جھاریاں کٹ کر ملک راحت کا راستہ صاف ہو سکتا ہے اسی کی زنگ صیقل سے دور کر کے گٹی ہوئی آب پھر پیدا کرنی چاہئے۔

مذہبی اصلاح کے لئے سفر پر کھر باندہ کر گھر چھوڑنے کا قصد کر لیا۔ گو اس وقت اُن کی عمر صرف سولہ برس کی تھی مگر تعصب و جہل کے دیو کا مقابلہ کرنے کے لئے اُن کے بازوؤں میں کافی قوت تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر ماں کے اصرار نے ارادہ پورا نہ ہونے دیا صرف یہی ایسا تعلق تھا جس نے باوجود عزم و ہمت دنیا میں پاپزنجیر کر کے رکھا انہوں نے اپنی والدہ کی بار بار منتیں کیں اور قدموں پر سر رکھ کر اجازت چاہی مگر اُن کے گھر چھوڑنے اور زہد و تقویٰ اختیار کرنے پر راضی نہ ہوئیں۔ اُن کی خوشی کا ذریعہ اور مفلسی کا سہارا شنکر ہی کی ذات تھی۔ گو وہ اپنی والدہ کی حیات میں ترک وطن نہ کرسکے تاہم اپنے ارادہ

میں ثابت قدم رہے —

ایک دن وہ اپنی ماں کے ساتھ کسی قریب کے گاؤں میں مہمان گئے واپسی کے وقت دیکھتے کیا ہیں کہ ایک فائہ جسے وہ ابھی ابھی اتر کر گئے تھے بڑے زور و شور سے چڑھ رہا ہے۔ انہوں نے اُسے عبور کرنا چاہا۔ فائہ چڑھاؤ پر تھا چلتے چلتے پانی اُن کی تھوڑی تک آگیا تو انہوں نے غل مچھا کر کہا۔ ”اماں اب بھی مجھے گھر سے جانے کی اجازت دوگی کہ نہیں؟ اگر اب بھی میری درخواست منظور نہ کی تو بس سمجھو اور کہ میں ابھی تمہاری آنکھوں کے سامنے توب کر جان دے دوں گا“ ماں نے دیکھا کہ بیٹے کے تیور بے تہب ہیں، اُس کے اوسان جاتے رہے اور فوراً اجازت دے دی شکر اپنی والدہ کو کاندھے پر اُٹھا کر خوش خوش نالے کے دوسرے کنارے پر جا کھڑے ہوئے —

کچھ دنوں بعد شکر نے اپنی والدہ سے رخصت ہو کر مالابار کو خیر باد کہا۔ ماں کے سوا گھر میں اور کون تھا جو ان کی روانگی کے وقت گریہ و زاری کرتا وہ ایک گھنام اور بے سر پرست یتیم تھے۔ اُن کے جانے کے بعد کوئی بھی اُن کے حال کا پرساں نہ ہوا۔ اور راہرو بیچاری والدہ کی درد انگیز شور و شیون کی صدائیں سن سن کر غریب شکر کو کوستے اور برا کہتے ہوئے اُن کے دروازے سے گزر جاتے مگر یہ کوئی بھی نہ پوچھتا کہ اس آفت زدہ بیوی کی جان پر کیا گزرتی ہے —

سولہ برس تک شکر ہندوستان میں ادھر ادھر پھرتے رہے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ تک سفر کیا اور تمام مشہور مشہور مقامات اور دارالعلوم میں پھنچے۔ اشاعت دین پر

جو تصنیفات انہوں نے کیں وہ "فتوحات" کے نام سے مشہور ہیں اور جس قدر مذہبی کتابوں پر تفسیریں لکھیں ان میں سے تفسیر ویدانت فلاسفی اپنشا اور بھگوت گیتا قابل ذکر ہیں۔ تفسیروں کے علاوہ انہوں نے بے شمار اصلی کتابیں بھی تصنیف کیں ہیں جو بیان کی گہلاوت اور زبان کی شستگی اور خیالات کی بلندی میں بے مثل ہیں۔ کسی زبان کی تاریخ انشا پردازی میں اتنا بڑا قابل مصنف ہم کو شاید ہی ملے گا انہوں نے اپنی تصانیف سولہ برس کی عمر میں شروع کیں جس وقت انسان عموماً لڑکا کہلاتا ہے اور اس کے بعد سواہ ہی برس اور زندہ رہے مگر اسی قلیل عرصہ میں قریب قریب تمام کتب فلسفہ اور الہیات پر تفسیریں لکھ ڈالیں اور لا تعداد اصلی کتابیں تصنیف کر دیں —

تصانیف و تفسیر کے علاوہ انہوں نے ہندوستان کے موجودہ دارالعلوموں میں جا جا کر علمائے وقت سے مذاکرہ کی درخواستیں کیں اور سرگرم مباحثوں سے انہیں اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا۔ اور نامی رشیوں اور دانشمندوں کو جنگاوں آرز کھوہوں میں جا کر شاستر فہمی میں اپنی طرز خاص کا مقلد کر لیا۔ ان کی فلسفیا نہ فتوحات لاٹانی تھیں۔ ایک عالم اور دانشمند بھی ایسا نہ بچا جو ان کے خیالات کا پیرو نہ ہو گیا ہو۔ یوں ابتری کو ترتیب اور تاریکی کو روشنی سے مبدل کر کے انہوں نے جہل کے کئی جہے ہوئے نیستانی سہلدار کی تہ سے مذہب کا آبدار موتی نکال لیا —

اسی پر خاتمہ نہیں ہوا۔ بدہ اعظم کی طرح انہوں نے بھی ایک مذہبی جماعت قائم کرنی چاہی۔ ہند کی

چار مختلف سہتوں میں چار بڑی بڑی خائقاہوں کی بنیاد تالی ان میں سے ایک سرنگا گری متھہ کہلاتی ہے۔ دوسری دوار کا میں سرو دھا متھہ کے نام سے مشہور ہے۔ تیسری نے سری کھیتر میں گوہر دھن متھہ نام پایا اور چوتھی بدورک آسرم میں جوشی متھہ کہلاتی ہے یہاں یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ ان کے مرید اور مریدوں کے چیلوں نے جملہ دس متھہ تعبیر کر کے ایک ایک فاسور سنیاسی کے نام سے نامزد کئے۔ زمانہ کی بھی کیا فیرونکیاں ہیں۔ بدہ کے زاہدوں کا پتہ بھی نہ رہا مگر شنکر کے سنیاسی ہندوستان میں اب تک پائے جاتے ہیں۔

یوں سولہ سال کا زمانہ شنکر نے حصہ ہند کی سیاحت اور ہدایت کے کاموں میں صرف کیا۔ صرف ایک مرتبہ اپنی جاں بلب ماں کو دیکھنے کے لئے دکن گئے آخر میں وہ کشمیر کو چلے گئے اور اپنی حیات کا باقی حصہ سرنگا گری متھہ میں گزارا وفات سے چند ماہ پیشتر جوشی متھہ کو گئے اور وہاں سے کیدار ناتھ پہنچے۔ یہاں یہ اعالیٰ مصلح دین، بے مثل واعظ اور عدیم النظیر فلاسفر ۳۲ برس کی عمر میں اپنے مریدوں اور پیرووں کو رنج و معن میں مبتلا چھوڑ کر جہان فانی سے ملک جاودانی میں جا بسا۔

یہ گہنام و بے سر پرست سولد برس کا لڑکا اپنی ماں کے جھونپڑے کو خیر باد کہتا ہوا مالا بار سے نکلا تھا اور اتنے ہی برس اور دنیا میں رہ کر انسانی رفاہ کے لئے مذہبی اصلاحیں کرتا رہا مگر اسی قدر زمانہ اس کی شہرت اور فاسوری کے لئے کافی ہوا۔



سولہ سال تک جو عرق ریزبان مذہبی کتابوں کی تصنیف میں کہیں ان کا یہ نتیجہ نکلا کہ اعلیٰ ہند نے شنکر کو ان کی وفات کے بعد الوہیت کا درجہ دیا اور اب تک انہیں شیو کا اوتار مانتے چلے آتے ہیں۔ ہندوؤں کے فلسفہ اور آلہیات کے پڑھنے اور سمجھنے میں ان کی تفاسیر اب بھی نہایت بکار آمد ہیں۔

جس شخص نے بودہ اور ہندو شاستروں کو غور و خوض سے پڑھا ہے وہ یہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ شنکر کی تہام کوششیں ہر دو مذہب کے لعل بے بہا کی حفاظت میں مبتدل رہیں۔ دراصل انہوں نے اپنی اعلیٰ فہم و فراست سے اس بات کے ثابت کرنے میں بڑی کوشش کی کہ ہندو اور بودہ مذہبوں کے اصول ایک ہی ہیں۔ اور بڑی تلاش و تجسس سے دکھایا کہ ہندو اور بودہ فلسفہ باہم دیگر مشابہ ہیں اس مشابہت کا ثبوت انہیں وید مقدس اور بعض افیشدوں میں ملا پھر ان مقدس کتابوں پر تفسیریں لکھ کر ان کی بدہ فلسفہ کی طرز پر تشریح کی۔ بدہ اعظم نے فرمایا تھا کہ انسان ذاتی تربیت سے بدہ کا درجہ پا سکتا ہے۔ شنکر نے شرح کی کہ ویدانت فلسفہ کا یہی مطلب ہے کہ انسان کو ذاتی تربیت سے الوہیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر انہوں نے اپنے مذہب کو العباد سے بچانے کے لئے خدا کا نام قائم رکھا بدہ کا فلسفہ کپل کے فلسفہ پر مبنی تھا۔ اور شنکر کے ویدانت شاستر کی بنیاد بھی کپل ہی کے فلسفہ پر تھی شنکر کی تفاسیر کے مطالعہ سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے گوتم کے پاک و صاف فلسفہ کو ہندو مذہب کے لباس سے آراستہ کیا ہے۔

مگر شنکر نے صرف بدہ کے فلسفہ ہی کو محفوظ نہیں کیا بلکہ اُن کے زاہدوں کی بڑی جماعت کو بھی بد نظمی اور گمنامی سے بچایا۔ پیشتر امور جو اقتضائے زمانہ کے برخلاف تھے یا جن کی ضرورت نہ تھی متروک کر دئے اور بہت سے اختراعات جن کی سوائستی کی موجودہ حالت کے لئے سخت ضرورت تھی رائج کئے۔ شنکر کے سنیہا سیوں کے گروہ پر سر سری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ گویا قدیم بودہ مذہب کا گروہ نئی وضع کے کپڑے پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے۔

بدہ مذہب کے لعل بے بہا کی حفاظت کر کے اور قدیم مذہبی تصانیف پر اعلیٰ درجہ کی مکمل تفسیریں لکھ کر شنکر نے فی الحقیقت پامال بودہ مذہب کو آخری بربادی سے بچایا۔ مگر آریہ مذہب کو جو بدہ مذہب کے قبل ہند میں جاری تھا اور جس کی کتابوں پر انہوں نے خود تفسیریں لکھیں محفوظ و مصئون نہ کر سکی۔ و بدانتی مذہب اور سر کرشن کے مذہب کے ساتھ جو ویدوں اور اپنشدوں کا ماخذ تھا افسوسناک تھا ہی نے وہی کیا تھا جو بودہ مذہب کے ساتھ غاصب زمانہ کی دست برد نے کیا یہ مذاہب بھی زاہدوں کے مذہبوں کی طرح مفقود ہو گئے۔ اس لئے گو شنکر کا مذہب قدیم آریہ مذہب کی طرح جاری کیا گیا تھا تاہم اُس میں اور ویدانتی مذہب میں بین فرق نظر آتا ہے۔

بودہ اور ہندو مذہبوں میں بت پرستی اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ شنکر بھی باوصف دماغی قوت صرف کرنے کے ہند سے اُس کی جز نہ اکھیر سکتے۔ شاید یہ کام انہیں ناممکن معلوم ہوا۔ اس لئے انہوں نے یہی بہتر

سمجھا کہ بتوں کی پرستش اور عبادت کے طریقہ میں ضروری ترمیم و تفسیح کر کے اُسے درست کر دیں اس امر کا بیان کر دینا شاید ضروری ہوگا کہ ہندو فلسفہ کی نظر سے شنکر بت پرستی کے قائل نہ تھے اور ہیرو پرستش پر انہیں بالکل اعتقاد نہ تھا۔ مگر انہوں نے اس عام پسند مذہب کے خلاف جہاد بھی نہیں کیا۔ بلکہ عقائد مروجہ کا تتبع کر کے اپنے بعض مٹھوں میں سرستی (علم و فضل کی دیوی) شیو اور دوسرے دیوتاؤں کی صورتیں رکھیں۔ اور خیال کیا کہ جن لوگوں کا جہل و تعصب دور ہو گیا ہے انہیں ان سے ضرر پہنچنے کا کچھ احتمال نہیں مگر جو مرض جہالت میں مبتلا ہیں انہیں ذاتی ترتیب کے واسطے ان سے بے شبہ بڑی مدد ملے گی۔ —

اس طرح شنکر نے ہند کے فلسفہ اور علم الہی کے گرانقدر جگمگاتے ہوئے جواہر منتخب کر کے منسلک کئے اور سری کرشن اور بدھ کی تعلیمات کو محفوظ و مصئون کر دیا غالباً گوتم بدھ کپل وستو کے بعد شنکر اچارج ہندوستان میں بڑے اعلیٰ درجہ کے واعظ اور فلاسفر ہو گزرے۔ ہیں۔ —

## دامانج

شنکر اچارج کی وفات کے تقریباً دو سو برس بعد حمایت  
ہین کے لئے دوسرا رہنما پیدا ہوا۔ شنکر کی پیدائش  
سے قبل اور بدھ کی وفات کے کچھ دنوں بعد شیو مت  
نے ہندوستان میں بہت رواج پایا تھا۔ شیو اور اُن کی  
زوجہ کی حمد و ثنا کے گیت گانے کے لئے بیشمار کتابیں  
تصلیف ہوئیں ملک میں صد ہا مندر تعمیر کئے گئے اور  
بودھوں کے بہت سے معابد تبدیل ہو کر شیوا لے بن گئے۔  
شنکر باوجود ذاتی فضل و کمال کے شیویوں کو اُن کے مضبوط  
کہیں گاہوں سے ہٹانے کی جرات نہ کر سکے۔ شاید اس  
مذہب کے خلاف جہاد کرنا اُن کی قدرت و مکنت میں  
نہ تھا۔ لہذا شنکر کی وفات کے بعد اُنہیں لوگوں نے  
شیو کا اوتار تسلیم کر لیا اور اُن کے اقوال و اشعار کو  
شیو مذہب کی تائید میں سنداً پیش کرنے لگے۔ —  
گو علما و فقہاء نے شنکر کے فلسفہ کو تسلیم کر لیا  
مگر عوام میں اُن کے مذہب کو حسن قبول حاصل نہیں  
ہوا۔ اُن کے سنیاسیوں کا گروہ، جیسا تھا ویسا ہی  
رہا مگر اُن کی تعلیمات صفتہ روزگار سے  
مت کٹیں —

الغرض شیویوں کا تعصب دور کرنے کے لئے جو ہند میں ادھر سے ادھر تک پھیلا ہوا تھا اور اقوال مستندہ میں جنہر مذہب کی بنیاد تھی سادگی اور رفعت پیدا کرنے کے لئے دکن میں ایک بزرگ پیدا ہوئے۔ اس طرح شمالی ہند کے مذہب کی حفظ و حمایت کے لئے جس کی بنیاد جہنا اور گنگا کے دو آبہ میں پڑی تھی دریائے کرشنا اور کاویری کے کناروں پر یکے بعد دیگرے دو بزرگوں کا ظہور ہوا۔

یہ بزرگ رامانج تھے جو مقام پومبر میں پیدا ہوئے۔ ان کے پدر بزرگوار کا نام کیشب اور والدہ کا نام دھومی دیوی تھا۔ انہوں نے کنچن پور ضلع بھی نگر میں تعلیم پائی اور وہیں سے اپنے لئے مذہب کے وعظ و تلقین شروع کی یہاں سے وہ سریرنگ پتم چلے گئے جہاں انہوں نے کئی سال قیام کر کے اپنے مذہب اور فلسفہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

اس کے بعد انہوں نے اشاعت دین کا دورہ شروع کیا اور اثناء سفر میں بہت سے علما و حکما کو مناظرات فلسفہ میں شکست دیکر اپنے خیالات کا پیرو بنا لیا۔ بہت سے شیوالوں پر قبضہ کر کے ان میں وشنوں کی پرستش جاری کر دی۔ رشنو اور شیو کے عابدوں میں روز بروز مذاقشات بڑھنے لگے حتیٰ کہ سریرنگ پتم کا بادشاہ ویشنویوں کی تباہی اور بیخ کنی پر آمادہ ہو گیا۔ رامانج جان بچا کر بھاگے اور کرناٹک کی سلطنت میں پناہ لی۔ یہاں کا فرما نروا جین تھا۔ مگر رامانج نے کوشش و تدبیر سے اُسے وشنو مذہب کا پیرو بنا لیا شاہ موصوف نے جادب کے مقام پر ایک

بہت بڑا مذکر تعمیر کیا جس میں رامانج بارہ برس تک مقیم رہے۔

آخر کار رامانج نے اپنے دشمن شاہ سریرنگ پٹم کے مرنے کی خبر سن کر وطن مالوت کی طرف فوراً معاودت کی اور یہاں حیات مستعار کا باقی حصہ فقرو عبادات میں گزارا۔

قدما کی طرح رامانج نے بھی اپنے مذہب کی بنیاد اپنے ہی فلسفہ پر رکھی مگر بدہ کے فلسفہ سے گزر کر حتیٰ الوسع وہ عوام الناس کے عقائد کے ساتھ قدم بقدم چلے انہوں نے اپنے فلسفہ میں دو خاص نکاتے جو شنکر نے بدہ فلسفی سے اخذ کئے تھے نکال ڈالے انہوں نے اس مسئلہ کو کہ ”انسان خدا ہو سکتا ہے“ تسلیم نہیں کیا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان نہ خدا ہے نہ اس کے بعد وہ خدا ہو جانے کی تمنا کر سکتا ہے۔ انسان اور خدا میں وہی تعلق ہے جو آقا اور خادم یا باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے البتہ ذاتی تربیت سے انسان میں قادر مطلق کے۔ وا اور سب خدائی صفتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

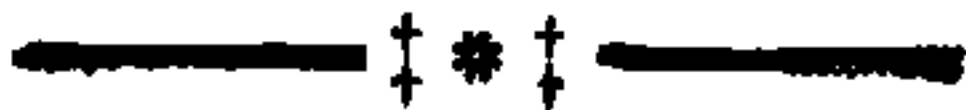
رامانج اور شنکر کے فلسفیوں میں ایک اور بھی اصولی اختلاف ہے۔ شنکر کے ہاں خدا کو صفات سے معرول مانا گیا ہے اصل میں اُن کا میلان طبع از اول تا آخر بدہ کے فلسفہ کی طرف تھا یعنی شنکر کے ہاں خدا میں صفات کا نہ پایا جانا بدہ کے ہاں خدا نہ ہونے کے برابر ہے مگر رامانج نے اپنے مذہب میں دھریے پن کے مشابہ بھی کسی بات کا بیان کرنا جائز نہ رکھا۔ انہوں نے خدا کو کل صفات سے موصوف مانا ہے اور خدا کے اوتاروں کو بھی تسلیم کیا ہے۔

انہوں نے مکتی یعنی نجات حاصل کرنے کے یہ پانچ

## رہنمایان ہند

درجے بتائے ہیں ( ۱ ) مندر میں جھاڑو دینا ( ۲ ) پرستش کے واسطے پھول وغیرہ چن کر لانا ( ۳ ) خدا کی پرستش کرنا ( ۴ ) خدا کے ناموں کے گیت گانا۔ اور شاستروں کا مطالعہ کرنا۔ ( ۵ ) مراقبہ زہد و عشق الہی کرنا۔

گو بادی النظر میں رامانج نے شنکر اور بدہ کے فلسفہ سے اختلاف کیا مگر حصول نجات اور مذہبی گروہ کے قیام میں اُن دونوں کی تقلید کی۔ گروہ بنانے میں اُنہوں نے شنکر کا حرت بھرت قتبج کیا اور معدود تعداد کے خاص خاص مٹھ تعمیر کر کے اپنے پیرووں کو کسی نہ کسی مٹھ سے تعلق رکھنے کی ہدایت دی۔ شیو مت ہندوستان میں عالمگیر مذہب ہو رہا تھا اور رامانج کے وشنو مذہب کو اس قدر فروغ نہیں ہوا لہذا شنکر کے مٹھوں کا طریقہ عام ہو گیا اور تمام حصص ہند میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ شنکر کے مٹھ کل ہند میں پائے جاتے ہیں مگر رامانج کے مذہب کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ شمال میں عام پسند نہیں ہوا اور اُن کے مٹھ میان دو آب مشکل سے ایک دوہوں کے۔ البتہ ملک دکن میں رامانج یا اُن کے مریدوں کے تعمیر کئے ہوئے مٹھ کثرت سے ہیں وہاں شمال میں وندھیا چل کے سلسلہ سے لے کر جنوب میں بھرہند تک لاکھوں مرد و زن خاص کر اُنہیں کے مذہب کے پیرو ہیں اور ہزار ہا آدمی اُنہیں وشنو کا اوتار مان کر پرستش و عبادت کرتے ہیں۔





## رامانند

جس وقت ہند میں سلطنت مغلیہ کے اقبال کا ستارہ چمک رہا تھا - اسلام ہند و مذہب کا مد مقابل بنا ہوا تھا اور ہر دو مذاہب کے اصول ایک دوسرے میں خلط ملط ہو رہے تھے - شمالی ہند کے مختلف حصوں میں تین معاصر رہنما رامانند ، گورکھ ناتھ ، کبیر ہند و مذہب کی عظمت و سادگی پر وعظ دینے کے لئے ظاہر ہوئے غالباً یہ جہانگیر اور شاہ جہاں شاہان دہلی کا عہد تھا -

بعض مورخین کی رائے ہے کہ رامانند رامانج کے مرید تھے - مگر چونکہ انہوں نے رامانج کی پیدائش سے تقریباً سو برس بعد ظہور فرمایا لہذا ان کا اس دکھنی بزرگ کا براہ راست شاگرد ہونا ممکن نہ تھا - لیکن وہ رامانج کے مذہب کے پیرو ضرور تھے انہوں نے ان کا فلسفہ سیکھ لیا تھا اور ان کے مذہب کو عام پسند بنانے میں سعی تھی -

افسوس کا مقام ہے کہ ہم رامانند کے حالات سے بہت کم واقف ہیں - ان کے تذکرہ نویسوں نے افسانوں ، خیالی قصوں اور ہزل و حکایات سے بہت سے صفحے رنگے ہیں اور بعض سربر آوردہ مریدوں کے حالات تحریر

کر کے اُن کی خاص سوانح عمری کے لئے بہت ہی کم جگہ چھوڑی ہے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ وہ متبرک شہر بنارس میں مقیم رہے اور وہیں سے اپنے مذہب کے وعظ شروع کئے۔

نہ انہوں نے کوئی نیا فلسفہ ایجاد کیا اور نہ ان کا کوئی نیا مذہب تھا۔ ہاں اگر کوئی تجدید کہی جاسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ انہوں نے ہند کے مشہور ہیرو رام کوالوہیت کا درجہ دیکر شمالی ہند میں اُن کی پرستش کو رواج دیا۔

کوئی شخص راماند کی تعلیمات مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا کرے تو وہ فوراً یہی نتیجہ نکال لے گا کہ اُن کا مذہب صرف رامانج کے مذہب کو عام پسند بنا دیا تھا۔ شکر اور رامانج کی طرح انہوں نے اپنی کتابیں زبان سنسکرت میں تصنیف نہیں کیں۔ بلکہ ملک کی عام فہم زبان میں لکھیں۔ رام کو خدا کا اوتار ماننے سے اُن کو صرف عوام میں اشاعت دین مقصود تھی۔ اُن کو معلوم ہوا کہ رامانج نے جو کچھ خدا کی بابت لکھا تھا وہ شکر کی تحریرات کی بہ نسبت سریع الفہم تھا مگر پھر بھی عام طور پر انسانی فہم و ادراک سے بعید تھا۔ عوام الناس ایسے خدا کا تصور کیونکر کر سکتے ہیں جس کا جاننا رشیوں اور دانش مندوں کی سمجھ سے بھی خارج ہو۔ البتہ وہ ایک ایسے ہیر و کا تصور اور عبادت بہت آسانی سے کر سکتے ہیں جس کی توصیف و ثنا کرنا انہیں لڑکپن سے سکھایا گیا ہو جس کی بہادرانہ فتوحات کو وہ مدت اعمر سے سنتے آئے ہوں جس کی شجاعت کے کارناموں نے اُن کے دلوں کو اپنی

طرت متوجہ کر لیا ہو اور خدا کے بعد جس کی عظمت و تقدیس ہو فرد بشر کے دل میں جاگزیں ہو۔ جب لوگوں نے سنا کہ اُن کے نہایت عزیز ہیرو رام خدا کے اوتار ہیں تو سب نے فوراً اُن کی پرستش و عبادت شروع کر دی۔ راماند کے مذہب کو شمالی ہند میں قبولیت عام حاصل ہونے کا یہی سبب تھا۔

راماند نے متقدمین کی طرح اپنے پیرووں کے دوسرے حصے کئے یعنی زاہد اور دنیا دار زاہدوں کے گروہ کی ترتیب میں انہوں نے رامانج کی پیروی کی اور اُن کے طریقے میں چند ریفرم داخل کر کے کسی قدر جدت بھی پیدا کر دی۔ یہ سب گروہ گوتم بدہ کی جماعت کبروں کی تقلید میں بنائے گئے تھے۔ لہذا ہنکر، رامانج اور راماند کے مذہبی گروہوں میں مشکل سے کوئی نئی بات پائی جاتی تھی شکر کی جماعت کے لئے دس مٹھ تھے راماند نے اپنے گروہ کے لئے مٹھوں کی تعداد سات ہی رکھی اور ہر پیرو کو ان سات مٹھوں میں سے کسی نہ کسی مٹھ سے تعلق رکھنا لازمی کر دیا۔ جس دستور العمل کی پیروی ان مٹھوں میں کی جاتی اُن میں اور شکر کے مٹھوں کے دستور العمل میں شاید ہی کوئی بین اختلاف پایا جاتا تھا۔ بلکہ اب تک وہ ایک ہی قسم کی جماعتیں ہیں فرق صرف اتنا تھا کہ شکر کے مٹھوں کے زاہد شیو کی پرستش مثل خدا کے کرتے تھے۔ اور راماند کے مٹھوں میں رام کو وشنو کا اوتار مان کر پرستش ہوتی تھی۔ شیو اور وشنو کے مٹھوں کے متعلق کچھہ اراضی بھی ہوتی ہے اور اس کے مالک مہنت ہوتے ہیں کوئی اجنبی شخص جب تک دونوں قسم کے مٹھوں کی عبادت کا

طریقہ دریافت نہ کر لے اسے ان میں کچھہ فرق معلوم نہوگا مگر یہ امر قابل بیان ہے کہ جو زاہد رامانج کے متہوں سے متعلق تھے انہیں سخت پابندی اور عشرت کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ ہر خلات اسکے رامانند کے متہوں کے زاہدوں کی طرز معاشرت بہت آسان تھی۔ بہر نوع رامانند نے اپنے مذہب کو زیادہ تر عام پسند اور سادہ بنانے کی کوشش کی اور یہی ان کا اصل مقصد تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پجاریوں اور فلسفیوں کے مذہب کے مقابلہ میں اس مذہب کی پیروی سہل تر ہو جائے۔

رامانند کے بارہ ارشد تلامذہ تھے جو اعلیٰ قوم برہمن سے لے کر ادنیٰ قوم چندالی تک ہر قوم میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ رامانند کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی یہ بارہوں مرید اشاعت دین میں سرگرم رہے بلکہ اس امر میں اپنے مرشد سے بھی سبقت لے گئے۔ مریدوں کے مختلف اقوام ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رامانند ذات کی تفریق کچھہ خیال نہ کرتے تھے۔ اور ہر ملت کے آدمیوں کو بطیب خاطر اپنے گروہ میں داخل کرتے تھے۔

ان مریدوں نے صفحہ روزگار پر لازوال یاد گاریں چھوڑیں ہیں مگر ان میں سے ایک تو اپنے مرشد سے بھی بڑے گئے اور ان کا دل اپنے ہمعصروں بلکہ خود مرشد کے مقابلہ میں آسمانی نور سے زیادہ تر منور ہوا۔ یہ اہلی بزرگ کبیر تھے لیکن ان کی سوانح عہری لکھنے سے پیشتر ہم ان چار شخصوں کا مختصراً بیان کرتے ہیں جو رامانند کے پیرو ہیں کم درجہ کے سمجھے جاتے تھے

گو وہ رامانند کے بارہ موبدوں میں بڑھے چڑھے نہ تھے تاہم قدر و عظمت میں ان کے ہم پلہ ضرور تھے۔ ان میں سے ایک ناراجی تھے جو مشہور کتاب بھگت مال کے مصنف ہوئے دوسرے سور داس جو ہند میں فاسی کبیشر اور اعلیٰ درجہ کے مغنی ہو کرے ہیں باقی دو عدیم النظیر شاعر تھے جن سے تعلیم یافتہ طبقہ کے آدمی بخوبی واقف ہیں یعنی تلسی داس بھاشا رامائن کے مصنف اور جید یوجن کا کلام وجد و سہاج کی مجلسوں میں معابدوں اور رسمنوں میں برابر گایا جاتا ہے۔

ناراجی ایک مبتذل قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ماں سخت کال کے دنوں میں ان کو ایک جھاری میں چھوڑ گئی اور درویشنو زاہد انہیں اٹھا کر اپنے مٹھہ میں لے گئے وہاں وہ پرورش پا کر اس مشہور تذکرے کے مصنف ہوئے جس کا جواب آج تک شہالی ہند میں کسی نے نہیں لکھا۔

ہوش سنبھالتے ہی وہ اپنا تعلق مٹھہ مذکور سے قطع کر کے رامانند کے موبد ہو گئے۔ مشہور ہے کہ بھگت مال کا تذکرہ انہوں نے اپنے مرشد کی فرمائش سے لکھا تھا۔ ناراجی صرف غیر معمولی شاعر ہی نہ تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے اور ان کا عشق الہی اور فقرا و مشائخ کے ساتھ اعتقاد تاریخ ہند میں عدیم المثال ہے۔ سور داس کی سوانح زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ وہ اندھے تھے اور اس وقت کے مقبول شاعروں میں سے تھے۔ ان کا مدفن (سہاواہ) بنارس کے قریب موضع شب پور میں ہے۔ روایت ہے کہ وہ ایک برہمن کے گھر میں پیدا ہوئے اور اکبر شاہ دہلی کے عہد میں

تھوڑے عرصہ تک محکمہ مال میں تحصیلدار رہے۔ ایک دفعہ انہوں نے کل زر معاصل بند راہن میں من مومن جی کے مندر کے لئے وقف کر دیا اور خالی صندوق پتھروں سے بھر کر شاہی دربار میں بھیج دیے۔ اس جرم پر موتہن الدولہ راجہ توترمل نے انہیں قید کر دیا۔ مگر اکبر نے دیوانہ سہجہ کر رہائی کا حکم دیا۔ سورداس وشو مذہب کے زاہد ہو کر سارے ہند میں پھرتے رہے اور بے شمار گیت اور کبت تصنیف کر کے گاتے رہے۔ ان کے ہر ایک گیت اور کبت سے محبت الہی اور روحانیت تپکتی ہے۔

قلسی داس چتر کوت کی پہاڑی کے قریب حج پور کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ پہلے وہ راجہ بنارس کے دیوان رہے مگر بعد کو فقر و زہد اختیار کر کے بند راہن چلے گئے۔ بہت سے مقامات کا سفر کر کے وہ بنارس کو واپس آئے اور یہاں رامائی کی مشہور کتاب لکھی۔ اس کے سوا چند اور کتابیں بھی تصنیف کیں اواخر زندگی کا حصہ اسی متبرک شہر میں گزارا۔

جید یو مغربی ہنگال کے موضع کیندا بل میں پیدا ہوئے۔ شاید ہندوستان میں یہ گانے کی نظم کے بہت بڑے شاعر ہوئے ہیں وہ مہاس تھے مگر آخر کار ایک لڑکی کے ساتھ جسے اس کا باپ ان کے جھونپڑے پر چھوڑ گیا تھا شادی کرنے پر مجبور ہوئے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر اپنے ہی گانوں میں رہ کر زہد و عبادت میں بسر کی مگر ان کے گیت \* گوہند کو لوگ ہمالیہ

\* یہ کتاب تقریباً سنہ ۱۲۰۰ ع میں لکھی گئی۔

مترجم

ہے لے کر سہارن پور تک سارے ہندوستان میں پڑھتے اور  
گاتے تھے۔

ہوں رامانند کا مذہب تمام ملک میں پھیل گیا۔ ان  
کے سریدوں نے سارے ہند میں گشت کر کے عوام الناس کو  
مذہبی واعظ سناے مگر ان کے چار شاعر سریدوں نے  
اپنے پرتائیر گیتوں اور دلکش نظم سے دین کی اشاعت  
میں بہت کچھ کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں رامانند کا  
ویشنو مت یا دوسرے الفاظ میں رام کی پرستش کا طریقہ  
ہندوستان میں نہایت مقبول و پسندیدہ ہو گیا۔ گو ان  
کے سریدوں نے وشنو کے علاوہ اور اوتاروں کو بھی مانا  
ہے مگر رام کی پرستش پر بہت زور دیا ہے بلکہ اب تک  
ان کے پیرووں میں رامانندیوں کا فرقہ بہت بڑا ہے جو  
رام سیتا۔ اور ہنومان کی پرستش کرتا ہے۔ شنکر کی  
اعلیٰ نظم اور برتر فلسفہ نے شیو مت کی بڑی حمایت کی  
مگر رامانند نے اسی بڑی زک دی اور اب تک ان کا  
وشنو مذہب ہند کے شمالی حصہ میں پھیلا ہوا ہے۔





## کبیر

کبیر نے اپنے مرشد واماندہ کی بہ نسبت مذہب میں اور بھی سادگی اور عظمت پیدا کی۔ واماندہ نے مذہبی رسوم سے جہاں تک وہ ان کے اصول سے مطابقت رکھتے تھے پہلو بہ پہلو رہنے کی سعی کی۔ مگر کبیر رسمیات دینی اور ضوابط مذہبی سے بالکل الگ چلے۔ ان کے مذہب میں سادگی تھی۔ ان کا قول خدا کا عشق نامتناہی اور طریق نجات عبادت الہی تھا۔

ان کی سوانح عہری ایک مخفی اسرار ہے۔ ہم ان کے دوران زندگی کے حالات سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ البتہ ان کی تعلیمات کا مجموعہ اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے جو نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھی گئی ہیں ان کے مقبول اشعار سرحد بنگال سے لیکر پنجاب تک اب بھی لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ گو ان کی زندگی کے سوانح صفحہ روزگار سے مت گئے مگر ان کا موثر عاشقانہ اور نصیحت آمیز کلام لوگوں کے دلوں میں ایسا رچ گیا ہے کہ قیامت تک فراموش نہیں ہوسکتا۔

مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن کی بیوہ لڑکی کے بطن سے پیدا ہوئے جس نے اس خوت سے کہ کہیں اس کا راز سر بستہ فاش نہ ہو جائے انہیں کسی جنگل میں ڈال دیا

اس وقت فوری جولہا اور اس کی بیوی کسی پاس کے گاؤں میں سہمان جاتے تھے ان میں بیوی نے اس معصوم بچہ کو جنگل میں بلکتا ہوا دیکھ کر قوس کھایا اور اپنے گھر لاکر اپنی اولاد بنا کر پالا پوسا۔

راماندہ کے مرید ہونے سے پہلے ہم کو کبیر کے حالات معلوم نہیں۔ لڑکپن ہی سے مذہب کا سودا ان کے سر میں بھرا تھا۔ گو سوتیلے باپ نے ان کی شادی بھی کر دی تھی مگر انہیں نہ کچھ گھر سے لگاؤ تھا نہ بیوی بچوں کی صحبت تھی۔ وہ متبرک شہر بنارس میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک دن انہیں گھر کو پلٹنے کا خیال نہ رہا اور رات کو دریائے گنگا کے کنارے کسی گھاٹ کی سیرتھیوں پر پڑ کر سو رہے۔

جب کبیر گنگا کے گھاٹ پر سو رہے تھے راماندہ جو مشہور واعظ و عابد تھے اشنان کے لئے وہاں تشریف لائے۔ ابھی روز روشن نہ ہوا تھا۔ اندھیرے میں انہیں کچھ معلوم نہ ہوا اور ان کا پاؤں کبیر کی چھاتی پر جا پڑا۔ جو نہیں انہیں انسانی جسم محسوس ہوا ان کے منہ سے بیساختہ نکلا "رام رام" کبیر کلمبلا کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے "آخر کار میں نے اسے پا لیا۔"

راماندہ کبیر کے بشرہ سے کچھ آثار سعادت دیکھ کر انہیں اپنے متوہ میں لے آئے اور وہ اسی روز باضابطہ راماندہ کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ مگر ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کب تک اپنے گروہ کی اطاعت و پیروی میں ثابت قدم رہے۔ غالباً مرشد کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے مذہب کی وعظ و تلقین شروع کی اصلیت خواہ کچھ ہی ہو مگر کبیر توڑے ہی عرصہ میں اپنے مرشد

سے ہرگز گئے اور ان کا مذہب ہند کے مذاہب موجودہ کے مقابلہ میں بہت طاقتور ثابت ہوا —

انہوں نے حیات مستعار کا ہقیہ زمانہ مذہبی وعظ و تلقین میں گزارا مگر ان کے وعظ کہنے کا طریقہ سب سے نرالا تھا۔ وہ وعظ نہیں دیتے تھے بلکہ اپنا مذہب عام فہم نظم میں گا گا کر سناتے تھے۔ ان کی تمام تعلیمات گیتوں اور کبتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ کسی کو اپنا مذہب اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔ ہاں ملک میں معرفت الہی کے گیت گاتے پھرتے تھے جن میں مذہبی قیود اور رسوم کو بدعت ٹھہرایا تھا۔ ان کی نہ کوئی ذات و قوم و ملت تھی۔ نہ وہ کوئی بت یا علم الا صنم (دیوسالا) رکھتے تھے۔ وہ صاحب باطن اور عشق الہی کا راگ گانے والے تھے۔ انہوں نے مسئلہ صلح گل تعلیم کر کے بگمال جرأت گل مذاہب کو غیر ضروری ثابت کیا۔ ان کی ملت عشق الہی تھی۔ یعنی قدرت کاملہ کا عشق اور قدرتی عشق سے قدرتی اشیاء کا عشق اور قدرتی اشیاء کے عشق سے مالک قدرت کاملہ کا عشق —

کبیر کی لوگ بہت سی کہانیاں اور روایتیں بیان کرتے ہیں مگر ان میں سے بیشتر ان کے مداحوں کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ہاں ایک روایت گل تذکرہ نویسوں نے نقل کی ہے لہذا ہم اسے نیک چلنی کی اعلیٰ نظیر سمجھ کر یہاں درج کرتے ہیں —

کبیر اور ان کی بیوی لوئی شہر کے باہر ایک کھوہ میں رہتے اور جو زاہد و عابد ان کے ہاں سہان جاتے انہیں کھانا کھلایا کرتے تھے مگر کبیر خود بھی گداگرتھے اور اکثر و بیشتر ضرورت کے وقت دریوزہ کری سے

اپنی حاجت پوری کرتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور بیس پچیس بھوئے فقیر اُن کے دروازہ پر آکئے۔ اُس وقت اُنہیں انتہا کی تنگ مزاجی اور پریشانی تھی۔ اُن کی نیک دل بیوی اُن کی تیوری پر بل دیکھ کر دریافت کرنے لگی اور کبیر نے اپنی پریشانی کا حال کہا تو میاں بیوی میں یوں مکالمہ ہونے لگا۔

لوٹی (کبیر کی بیوی) پیارے شوہر۔ تم مجھے اجازت دو تو میں فلاں ساھو کار کے بیٹے سے کچھ روپیہ لے آؤں۔

کبیر۔ یہ کیوں کر ممکن ہے؟ اُس کا باپ تو بڑا گنجلوس ہے۔ وہ ہمیں روپیہ کیوں دینے لگا۔

لوٹی۔ بیشک یہ سچ ہے مگر وہ مجھ پر ہزار جان سے شائق ہے۔ میری محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اُس نے ایک مرتبہ مجھے کچھ روپیہ دینے کو کہا تھا۔ اب میں اُس سے طلب کرونگی تو توڑا بہت لے ہی نکلے گا۔ دیکھو میں آج کس تدبیر سے اس سے رقم ایلتھتی ہوں اور سوئدی کاتے کو محبت جتانے کی کیسی سزا دیتی ہوں۔

کبیر (خوش ہو کر) ہو ہو ہو۔ یہ تدبیر تو خوب نکالی۔ اچھا اب تم جلد جاؤ اور کچھ روپیہ لے آؤ۔ دیکھو دروازے پر کتنے آدمی بھوکے بیٹھے ہیں روپیہ مانگتے تو اُن کے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کیا جائے۔

لوٹی چلی اور چل کر ساھو کار کے نوجوان بیٹے کے گھر پہنچی۔ رات کے ملنے کا وعدہ کرتے ہی نوجوان نے لوٹی کو جس قدر روپیہ اُس نے طلب کیا دیدیا وہ روپیہ لیکر گھر آئی اور کبیر نے فقیروں کی بڑ

اہتمام سے دعوت کی —

دن کھانا کھلانے میں گزرا۔ آفتاب نے چادر شب میں چہرہ چھپایا اور سارے عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ یہ موسم بوسات کی رات تھی مینہ جہم برس رہا تھا اور چوبائی ہوا کے تیز و تند جھوکوں نے زمین میں زلزلہ تال رکھا تھا۔ بجلی کا بار بار چمکنا ہر گلی و کوچہ میں کھر کھر پانی کا بہنا پرنالونکا دھائیں دھائیں کرنا۔ اولتیروں کا لگا تار ٹپکنا۔ مینہ کا برسنا۔ انگڑائیوں کا توبا ہونا ایک چشم زدن کے لئے دکھا جاتا اور پھر اندھیرا گھپ ہو جاتا۔ اس تراؤنی وحشت خیز رات اور طوفان برق و باد میں کبیر اپنی پیاری بیوی کو سر سے پاؤں تک کھیل اڑھا اور کاندھے پر چڑھا کر اُس شہوت پرست نوجوان کے مکان پر پہنچے بیوی کو اندر بھیج دیا اور خود دروازے کے قریب تھیر کر اُس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ اُدھر تماشبین نوجوان کو اُس رات اپنی معشوقہ کی ملاقات سے قطعی یاس ہو چکی تھی۔ مگر جب اِس موہنی مورت عابد کش شعلہ جوالہ کو اپنے کمرے میں کھڑا دیکھا تو سخت متعیر ہوا اور تل دھار اوپر دھار برستے ہوئے مینہ میں لوٹی کا بدن ذرا بھی بھینگا نہ پایا تو اُس کا تعجب اور بھی بڑھ گیا —

نوجوان ( ساہو کار کا لڑکا ) میری جان مجھے تو امید نہ تھی کہ آج کی رات تم آؤ گی۔ بھلا ایسے مینہ برستے میں یہاں تک کیونکر آئیں میں دیکھتا ہوں نہ تمہارا جسم بھینگا ہے نہ پاؤں کیپچڑ میں بھرے ہیں۔  
واہ یہ تو اچھا اعجاز کیا —

لوٹی - جذاب میرے میاں مجھے اپنے کانڈھے پر چڑھا کر  
یہاں لائے ہیں -

نوجوان ( سخت متعیر ہو کر ) تمہارے میاں !  
تمہارے شوہر !! کیا تمہارے شوہر تمہیں میرے  
پاس لائے ہیں !!!

یہ کہہ کر وہ لوٹی کے قدموں پر گر پڑا - کہا تم  
آج سے میری ماں ہوئیں اور فوراً دروازہ کی طرف  
دوڑ کر کبیر کے قدم لٹے اس کے آگے صرف اسی قدر  
بیان کرنا کافی ہے کہ ساہو کار کا لڑکا اسی  
وقت سے کبیر کا تہ دل سے معتقد اور  
پیرو ہو گیا -

زاہد و عبادت کی زندگی کے بعد کبیر نے مگر میں  
انتقال فرمایا اُن کو خدا کا فرزند کہنا بجا ہے - وہ  
ایک قوم یا ایک مذہب نہ رکھتے تھے - اُن کا گھر  
دلیا - اُن کے بھائی بندہ بنی نوح انسان اور اُن کا  
باپ خالق ارض و سما تھا اس لئے اُن کی وراثت کے  
بعد ہندو مسلمانوں میں اُن کی تعظیم و تکفین پر ہڑا  
تنازع ہوا - کبیر کی مذہبی جماعت کے بڑے ہونے کا  
اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ دو مخالف  
مذہبوں کے فریق جس دن سے پنجاب کی سر زمین  
پر ملے ایک دوسرے میں باہم فقیض چلی آتی  
تھی ان میں سے ہر ایک کبیر کی نعش کو اپنے پیشوا  
کی نعش بتاتا تھا -

کہتے ہیں کہ کبیر کی میت پر ہندو مسلمانوں میں  
جنگ عظیم ہو جاتی - ایک طرف راجہ بنارس ہندوؤں کا  
تدی دل لٹے ہوئے اُن کی نعش کو جلالے پر آمادہ -

دوسری طرف بڑی خان مسلمانوں کے جم غفیر کے ساتھ نعش مذکور کو دفن کرنے کے لئے گھر بستہ مگر عین اس نازک وقت میں کبیر کی پاک روح نے ظاہر ہو کر ہندو مسلمانوں سے نعش پر سے کفن اتارنے کو کہا کفن اٹھاتے ہی اُس کے پیچھے ایک تھیر پھواریوں کا فِلا جسے دیکھ کر سب کو حیرت ہو گئی۔

نصف پھول لے کر راجہ بدارس نے دریائے گنگا کے متبرک کنارے پر جلائے اور خاکستر پر ایک مٹہہ بندھا دیا جو کبیر چورا کے نام سے مشہور ہے۔ اور کبیر پنتھیوں کی جاترا کا مقام ہے۔ دوسرا نصف حصہ پھولوں کا بڑی خان نے لیا اور مگر میں جہاں کبیر نے وفات پائی تھی دفن کر کے اُس پر ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا جو اب تک مسلمانوں کے متبرک زیارت گاہ ہے۔ تاریخ عالم میں ہم ایسے بے گزید بزرگ کی نظیر نہیں پاتے جسے دو مختلف مذہبوں کے فرقوں نے اس طرح الوہیت کا مرتبہ دیا ہو۔ عرفی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

چناں بانیک و بد عرفی بسر کن کز پس از مردن  
مسلمانت بزمزم شویدت ہندو بسوز افند

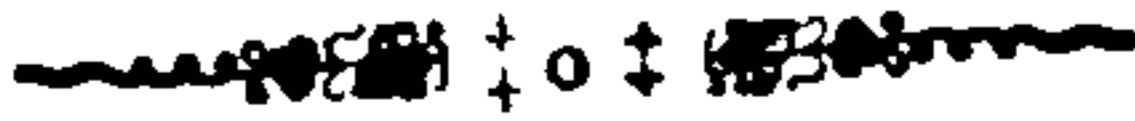
اب ہم کبیر کی دو ایک کراماتیں جس سے اخلاقی نتیجے نکلتے ہیں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج ذیل کر کے کتاب ہذا کا پہلا حصہ ختم کرتے ہیں۔

- (۱) تسبیح کا دانہ دانہ شمار کر کے عمر گزار ہی مگر دل کی عظمت دور نہ ہوئی اس لئے تسبیح کے دانے شمار کرنے سے صفائی قلب پیدا کرنا بہتر ہے۔
- (۲) اگر دوسن چتھڑے گدرے لاد کر ہر دوار پہنچے اور مختلف متبرک مقامات کی جاترا کی۔ مگر جب تک



دل عشق الہی سے روشن نہ ہو جاترا کرنا لا حاصل ہے۔ کعبہ جا کر سجدہ کیا مگر جب تک مکرو زور دور ہو کر دل میں عشق الہی پیدا نہ ہو حج کا کچھہ ثواب نہیں ملتا اگر گلستان بوستان پڑھ کر سعدی کا مطلب نہ سمجھا تو ایسے عام و فضل سے کیا فائدہ ہوا۔ (۳) میں اپنے محبوب (خدا) کے کلام کا عاشق ہوں۔ اس کے سوا اور کسی طرح میرے دل کو تسکین نہیں ہو سکتی۔ اگر مچھلی کو پکڑ کر سونے کے گہوارے میں رکھیں اور آب حیات اُسے پلائیں تاہم یقیناً وہ تھوڑی دیر میں مر جائیگی۔

قدر گوہر شاہ داند یا بدانہ جوہری  
پس جس کے دل میں عشق الہی پیدا ہو گیا ہے وہی  
خدا کو پا سکتا ہے۔









یہ آجہون کا سہ ماہی

پہاڑ پر بحث کی جاتی ہے اور

ہوتے ہیں ہندوستان

اسی اہم خدمت کو خاطر میں رکھ کر

مطابق اس سالوں میں اس کے لیے

چندہ ہزار روپے کی رقم

[ آئندہ روپے کی رقم ]



آجہون کے

جس کا مقصد ہے

دانوں میں مقبول کیا گیا ہے

ذہنی بحثیں یا انکشاف اور

انکشافات وقتاً فوقتاً ہوں گے

بیان کیا جائے۔ ان کے

سلیس زبان میں بیان کرنے

اور زبان کی ترقی اور

اور وسعت پیدا کرنا

سالانہ چندہ آٹھ روپے

امید ہے کہ اردو زبان

اس کی سرپرستی فرمائیں

آجہون کے

یہ آجہون کے